
اصطلاحاتِ اصولِ تفسیر

تالیف

افتخار احمد قاسمی بستوی

ناشر

مکتبہ ابو عبد الفتاح، محلہ مومن پورہ، خلیل آباد، سنت کبیر نگر (یوپی)

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	اصطلاحات اصول تفسیر
مرتب	:	افتخار احمد قاسمی بستوی
تعداد صفحات	:	۱۴۴
سن طباعت	:	۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء
کتابت کمپیوٹر	:	محمد مہر علی قاسمی (دھنباڈ، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا
تعداد اشاعت	:	۱۱۰۰
قیمت	:	

☆ ملنے کے چہ ☆

☆ مکتبہ ابو الفتح، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوڑ بار، مہاراشٹر

موبائل نمبر: 9423153062

☆ فرید بک ڈپو، دہلی

☆ مکتبہ نعیمیہ دیوبند، یوپی

☆ مکتبہ مدنیہ دیوبند، یوپی

☆ دارالکتاب دیوبند

انتساب

دارالعلوم الاسلامیہ بستی



دارالعلوم دیوبند

اور

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم

اکل کو اے نام

مقدمہ

پانچ ابواب:

پہلا باب :	علوم خمسہ کا بیان
دوسرا باب :	تفہیم قرآن
تیسرا باب :	اسلوب قرآن
چوتھا باب :	منہاج تفسیر
پانچواں باب :	غرائب قرآن

خاتمہ

فہرست مضامین

۱۷	اصول تفسیر کی فضیلت	۹	وعائے کلمات
۱۸	تفسیر و تاویل		حضرت مولانا غلام محمد و ستانوی صاحب
۱۹	تفسیر صحیح	۱۱	کلمات توثیق
۱۹	تفسیر بالرائے		حضرت مولانا محمد رضوان الدین صاحب
۱۹	تاویل	۱۳	اچنی بات
	پہلا باب:	۱۴	مقدمہ: اصول تفسیر
۲۰	علوم خمسہ کا بیان	۱۴	تعریف
۲۱	علم الاحکام	۱۴	حد اضافی
۲۱	تخریف شدہ ملت ابراہیمی	۱۴	حد لقی
۲۳	علم الجدل	۱۵	لغوی و اصطلاحی تعریف
۲۴	مشرکین، منافقین، یہود، نصاری	۱۶	موضوع
۲۴	ملت ابراہیمی کے شعائر	۱۶	غرض و غایت

۲۵	دوسری برائی: کتنا آیات	۲۵	شرائع ابراہیمی
۲۵	مثالیں	۲۵	عقائد ابراہیمی
۲۶	تیسری برائی	۲۶	مشرکین کی گمراہی
۲۶	چوتھی برائی	۲۶	شرک کی تفصیل
۲۷	پانچویں برائی	۲۷	مشرکین مکہ کا شرک کیسا تھا؟
۲۸	نصاری سے جدل	۲۸	مشرکین سے جدل کا طریقہ
۲۸	عقیدہ تثلیث	۲۹	مشرکین کا شرک تشبیہ
۲۹	اقامیم خلاصہ	۲۹	منافقین سے جدل
۲۹	عقیدہ تثلیث میں توحید کا جبری ثبوت	۲۹	منافقین کی قسمیں
۳۰	عقیدہ تثلیث کی دلیل	۲۹	نفاقِ عملی
۳۰	دلیل کا جواب	۲۹	نفاقِ اعتقادی
۳۱	نسبِ فعل کا دوسرا جواب	۲۹	نفاقِ عملی کی شکلیں
۳۱	صحیح عقیدہ	۳۰	نفاقِ اعتقادی کا حکم
۳۲	خدا اور عیسیٰ کے درمیان اتحاد کا عقیدہ غلط	۳۰	نفاقِ عملی کا حکم
۳۲	عیسیٰ کو سولی دی گئی	۳۱	منافقین سے جدل کا طریقہ
۳۳	اعتراف، جواب	۳۱	ایک کا عدد کلمہ
۳۳	فارقلیط (محمد) کی بشارت میں تحریف	۳۱	یہود سے جدل کا طریقہ
۳۴	تحریف	۳۱	یہودیوں کی برائیاں
۳۴	علم اللہ کبریا لا اللہ	۳۲	پہلی برائی: یہودیوں کی تحریف
۳۴	لفظی و اصطلاحی تعریف	۳۳	تحریف کی اقسام
۳۵	ذات و صفات باری	۳۳	تحریف لفظی
۳۶	صفات باری تو قینی ہیں	۳۳	تحریف معنوی
۳۶	نعمت خداوندی اور قدرتِ الہی سے.....	۳۴	تحریف معنوی کی مثالیں

۵۸	اصطلاحی تعریف	۴۸	علم اللہ کیر یا م اللہ
۵۸	شرح غریب القرآن میں معتبر سندیں	۴۸	لغوی واصطلاحی تعریف
۶۰	ایک غلطی کا ازالہ	۴۹	قرآنی قصوں کا مقصد
	دوسری فصل:	۴۹	بعض عارفین کا قول
۶۱	ناسخ و منسوخ کے بیان میں	۴۹	حسب ذیل قصے مکرر
۶۱	مقدمین کے نزدیک نسخ	۴۹	حضرت آدم کی تخلیق کا قصہ
۶۳	متاخرین کے نزدیک نسخ	۵۰	حضرت نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط اور
۶۳	مقدمین کے نزدیک منسوخ آیاتوں کی تعداد		شعیب علیہم السلام کے قصے
۶۴	آیات منسوخہ کی تعداد متاخرین کے نزدیک	۵۰	موسیٰ کا قصہ
۶۴	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی رائے	۵۱	داؤد و سلیمان کا قصہ
۶۴	قرآن کریم کی پانچ منسوخ آیاتیں	۵۱	(۵) ایوب و یونس کے قصے
۶۹	قاضی ابوبکر محمدؒ کے نزدیک منسوخ آیات ۲۱	۵۱	زکریا کا قصہ
	تیسری فصل:	۵۱	عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ
۷۵	شان نزول کے بیان میں	۵۲	صرف ایک یا دو بار آنے والے قصے
۷۵	شان نزول کے فوائد	۵۳	خلاصہ
۷۷	متاخرین و مقدمین کی اصطلاحات	۵۴	علم اللہ کیر بالموت و ما بعدہ
۷۷	نزول فی کذا کے معنی	۵۴	لغوی واصطلاحی تعریف
۷۷	تکراہ نزول		دوسرا باب:
۷۸	شان نزول سے غیر متعلق روایات	۵۶	لظم قرآنی کا بیان
۷۸	مفسر کے لیے دو شرطیں	۵۶	اسباب پوشیدگی
۷۸	اہل کتاب کی روایوں میں انبیاء کے قصے	۵۸	پہلی فصل: شرح غریب القرآن کے بیان میں
۷۹	مفسرین کے تفسیری اقوال مختلف کیوں؟	۵۸	غریب القرآن
۷۹	صحابی رسول کا فرمان	۵۸	لغوی معنی

۹۶	استعارات و مجاز عقلی	۸۰	قصے کی شکل
	تیسرا باب:	۸۱	تفسیر کے سوال و جواب
۹۷	اسلوب قرآنی کا بیان	۸۲	تقدیم زمانی اور تاخیر زمانی
	پہلی فصل:	۸۲	قرن توجیہ
۹۸	قرآن کی ترتیب اور سورتوں کا اسلوب	۸۵	تفسیر میں اقراط
۹۹	سورتوں کی اقسام		چوتھی فصل:
۹۹	مصحف عثمانی	۸۶	حذف، ایجاز و اطناب اور ابدال و تکرار وغیرہ
۹۹	سورتوں کا آغاز و اختتام	۸۶	حذف
۱۰۰	قصیدوں کا منہج بھی ملحوظ	۸۷	ابدال، فعل
۱۰۱	خاتمہ سورت	۸۸	اسم، حرف، جملہ، معرفہ، مذکر
۱۰۱	درمیان سورت میں کلام بلیغ کا استعمال	۸۹	تشبیہ، جواب قسم کی جگہ پر مستقل جملہ، غائب
۱۰۱	مخاطبہ کی ابتدا و انتہا میں کلام بلیغ	۹۰	تقدیم و تاخیر، صفت
	دوسری فصل:	۹۱	بدل، عطف، تفسیری، تکرار، حرف جر
۱۰۲	سورتوں کی آیات میں تقسیم کا بیان	۹۲	واو اتصال، فائے اتصال، انتشار و ضمائر
۱۰۲	آیات و ابیات میں فرق	۹۳	مختلف المعانی الفاظ، انتشار آیات
۱۰۳	آیات و ابیات میں قدر مشترک چیز		پانچویں فصل:
۱۰۳	قرآن کریم نے مشترک اجمالی حسن کی.....	۹۴	محکمات، متشابہات، تعریضات، کنایات، حسی
۱۰۴	ایک قاعدہ		مثالیں، استعارات و مجاز عقلی کے بیان میں
۱۰۴	قرآن کا وزن امتداد نفسی ہے	۹۴	محکمات
۱۰۵	قرآن کریم کا قافیہ حروف مدہ پر سانس.....	۹۴	متشابہات
۱۰۵	کلمے کے آخر میں الف آنا	۹۵	تعریضات
۱۰۵	آیات کا توافق ایک حرف پر اور ایک.....	۹۵	کنایات
۱۰۶	آخر سورت کے فواصل کا اول سورت.....		

۱۱۷	تفسیر القرآن بالقرآن	۱۰۶	نئے اوزان و قافیے کی قرآن میں ضرورت کیوں؟
۱۱۸	شرح غریب القرآن میں سلف کا اختلاف	۱۰۷	قرآن میں خطباء اور حکماء کے طرز پر آیتیں
۱۱۸	نسخ سے متعلق ایک اہم بات		تیسری فصل:
	دوسری فصل:	۱۰۷	علوم خمسہ کے تکرار اور عدم ترتیب کے بیان میں
۱۱۹	استنباط احکام، فن توجیہ اور فن اعتبار کے		چوتھی فصل:
۱۱۹	فن توجیہ	۱۰۹	قرآن کریم کے وجود اعجاز کے بیان میں
۱۱۹	توجیہ کے درجات	۱۰۹	اسلوب ہدیج
۱۲۰	قابل اعتماد توجیہ	۱۱۰	اخبار عن القصص
۱۲۰	توجیہ کی اقسام		چوتھا باب:
۱۲۱	شاہ صاحب کا مذہب	۱۱۲	مناج تفسیر کا بیان
۱۲۲	حضرت عثمان غنی کا قول	۱۱۳	مفسرین کی اقسام
۱۲۲	فنی اعتبار	۱۱۳	محدثین کی جماعت
	تیسری فصل:	۱۱۳	متکلمین کی جماعت
۱۲۳	غرائب القرآن کے بیان میں	۱۱۳	فقہائے اصولیین کی جماعت
۱۲۵	قرآن کا ظاہر و باطن	۱۱۴	نحوی لغوی حضرات
	چوتھی فصل:	۱۱۴	ادباء کی جماعت
۱۲۷	بعض علوم و ہی کے بیان میں	۱۱۴	قرائے کرام
۱۲۹	خاتمہ	۱۱۴	صوفیائے کرام
۱۲۹	قدیم مفسرین کا بیان	۱۱۴	جوامع التفسیر
۱۲۹	پہلی فصل: قدیم مفسرین کے اسمائے گرامی		پہلی فصل:
۱۳۱	دوسری فصل: بعض مفسرین کی قدرے تفصیل	۱۱۵	محدثین کی تفسیر اور اس سے تعلقات کے
۱۳۹	تیسری فصل: چند تفاسیر قرآن	۱۱۵	تفسیر میں بچنے کی باتیں
		۱۱۶	محدثین علی سبیل الاحتمال بھی تفسیر کرتے ہیں

دعائے کلمات

خادم کتاب و سنت و معمار مساجد

حضرت مولانا غلام محمد و ستانوی صاحب حفظہ اللہ و رعاه
رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کو اور کن شوری دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين ، و العاقبة للمتقين ، و الصلوة و السلام
على النبي الصادق الامين ، و على آله و صحبه الطيبين الطاهرين و من
تبعهم باحسان الى يوم الدين . اما بعد !

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم ساری انسانیت کے لئے پیغام امن و
سلامتی اور طبع رشد و ہدایت ہے، اس کی تعلیم و تبلیغ، اس کی تشریح و تلاوت، اس کی تاویل و
تفسیر اور اس کے اصول و ضوابط کی تنقیح و تشکیل، سب عبادت میں داخل ہے۔

حال ہی میں ہمارے جامعہ کے ایک موقر استاذ مولانا افتخار احمد قاسمی بستوی نے
اصول تفسیر پر اردو زبان میں ”الفوز الکبیر فی اصول التفسیر“ کے طرز پر ایک گراں قدر کام کیا
ہے، جو طالبان علوم نبوت کے لیے ایک تحفہ بے بہا اور نعمت غیر مترقبہ ہے۔

مولانا افتخار احمد بستوی ہمارے جامعہ میں ۱۹۹۶ء سے تاحال تدریسی خدمات میں پوری مواعیت و مداومت کے ساتھ مصروف عمل ہیں، انگریزی کی تدریس کے ساتھ درس نظامی کی مستند کتابیں نورالانوار، مقامات حریری، اصول الشاشی، کافیہ، شرح نخبہ الفکر، سراجی اور الفوز الکبیر وغیرہ زبردس رہی ہیں۔ الفوز الکبیر کی تدریس کے دوران حاصل شدہ تقریباً چھ سالہ تجرباتی علوم کو انہوں نے اردو کا جامعہ پہنا کر ”اصطلاحات اصول تفسیر“ کے نام سے طالبانِ علومِ نبوت کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

میں عزیز محترم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے تشنگانِ علومِ دینیہ کی تشنگی دور فرمائے، کتاب کو نافع بنائے، مؤلف، اس کے اساتذہ، احباب، والدین، متعلقین اور جامعہ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور جامعہ کے اساتذہ کو بالعموم اور مؤلف کو بالخصوص تحریری و غیر تحریری خدمات دینیہ کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

آمین!

(مولانا غلام محمد وستانوی (حفظہ اللہ)

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کو، نندو دربار، مہاراشٹر

۴ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ - ۱۵ مئی ۲۰۱۳ء

کلماتِ توثیق

حضرت مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفتی مدظلہ
شیخ الحدیث امجد اسلامیا شاعت العلوم اکل کوا، نندو دربار، مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسولہ الکریم - اجابعا

آسانی کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول، محبوب اور محکم و پائیدار کتاب
”قرآن مجید“ ہے جس کے متعلق ارشاد نبویؐ ہے: **هو حبل اللہ المتین، و هو الذکر الحکیم، و هو الصراط المستقیم**. (رواہ الترمذی)

بلاشبہ قرآن مجید انسانی دینی رہنمائی کے لیے نوحہ اکسیر ہے، ہر مرض کی شفا ہے،
تشنگان معرفت کے لیے شرابِ طہور ہے، اہل محبت کے لیے سامانِ تسکین ہے، اسرار و حکم،
لطائف و حقائق کا گنجینہ لازوال ہے۔ یہ سب کچھ ہے بلکہ ان سب سے بھی زیادہ اور بہت زیادہ
اور بہت کچھ ہے، بلکہ سب کچھ ہے۔ **قیانا لکل شیء کا آوازہ اپنی جگہ بالکل سچ اور حق ہے۔**
مگر بندگانِ خدا کی ایک بہت بڑی تعداد، قرآن کی زبان سے ناواقفیت اور کلام
و متکلم کے مزاج سے ناآشنائی کے سبب، نیز اس کے مضامین کی لطافت و نزاکت کے بوجہ،
بسا اوقات ان کو ہر ہائے قہم سے محروم رہ جاتی ہے۔ بلکہ کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر مراد کو
مراد سمجھ لیا جاتا ہے اور پھر کسی بڑی گمراہی کا دروازہ کھل جاتا ہے، اس بنا پر قوم و ملت کا درد،
دین و شریعت کا پاس رکھنے والے اور اللہ کا خوف رکھنے والے علما نے قرآن فہمی کے لیے
اصول و قواعد مرتب کیے۔ اور قواعد التفسیر و اصول التفسیر کو مستقل ایک فن کی حیثیت دے دی
تاکہ امت کج فہمی، بد فہمی، غلط فہمی، نا فہمی یا تفسیر بالرای جیسی بیماریوں کا شکار نہ ہونے پائے۔

تفسیر کے ان ہی اصول و قواعد پر مشتمل ایک نہایت وسیع پرمغز اور حل مشکلات کتاب مسند الہند حضرت الشاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی ”الفوز الکبیر“ ہے، جو واقعی اسم ہاشمی ہے، قرآنی تفسیر کے دوران تمام مراحل و عقبات سے بے خطر گذر کر مراد باری تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے ایک مضبوط زینہ ہے، راہ تفسیر کی وادیوں میں ضیا بخشنے والی ایک مشعل تاباں ہے، اس کے اعتماد و استناد اور افادیت کا اندازہ کرنے کے لیے حضرت شاہ صاحب کا نام و نسبت ہی کافی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ کتاب دراصل فارسی زبان میں تھی۔ اس کی تعریب و تشریح کا کام کیا گیا۔ کئی مفید شرحیں بھی اردو عربی میں لکھی گئیں۔ لیکن آج کے اس دور انحطاط میں طلبہ کی علمی بے ذوقی اور گرتی ہوئی صلاحیت کے پیش نظر ضرورت تھی کہ اردو زبان میں اس کی تلخیص کر دی جائے جس سے طلبہ کو سمجھنا پھر یاد کرنا آسان ہو جائے۔ نوحہ تقدیر نے یہ کام محترم جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی استاذ جامعہ اکل کو ا کے نام مقدر کر رکھا تھا۔ چنانچہ مولانا موصوف نے (اصطلاحات اصول تفسیر) نامی کتاب ترتیب دی۔ کتاب کی تکمیل پر موصوف نے خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد صاحب دستاوی دامت برکاتہم کی خدمت میں اس کو پیش کیا حضرت دستاوی نے مجھ نا چیز حقیر و فقیر کو اس کے متعلق اظہار خیال اور کچھ لکھنے کا حکم دیا۔ نیز خود مؤلف موصوف کی یہ تمنا ہوئی کہ یہ نا چیز اپنا تاثر پیش کرے۔ چنانچہ اسی پس منظر میں یہ سطور سپرد قلم طاس کی جا رہی ہیں کہ کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ مصطلحات کتاب کو بہت ہی آسان اور سلیس اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ زوائد اور غیر ضروری طوالت سے احتراز کا بھرپور اہتمام ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب ”الفوز الکبیر“ کے درس و تدریس اور استفادہ میں فائز الہامی کا ذریعہ بنے گی۔ اللہ کرے یہ کتاب قرآن مجہی اور طلبہ میں تفسیری صلاحیت آفرینی کا بہترین ذریعہ ثابت ہو اور مؤلف کی یہ عملی کاوش عند اللہ و عند الناس مقبول ہو۔

احقر۔ ضوان السرونی

خادم التدریس جامعہ اکل کو / ۱۶ / ۱۳۴۷ھ

اپنی بات

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم ”اصلاح معاذ“ کے مقصد سے ”توحید“ ”رسالت“ اور ”آخرت“ کے بنیادی عنوان اور کلیدی عناصر کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ اس کتاب کی صحیح مراد تک رسائی کے لیے محققین علمائے اہل سنت والجماعت نے قرآن وحدیث کے مطالعے میں تدین کے ساتھ زندگیوں کھپا کر قرآن وحدیث سے اخذ فرما کر کچھ وہی و نقلی اصول بیان فرمائے ہیں۔ جن کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں ”الفوز الکبیر فی اصول التفسیر“ کے نام سے ”طالبان علوم تفسیر“ کے لیے بالخصوص سکجا فرمایا تھا۔ پھر ایک دمشق عالم دین شیخ محمد منیر دمشق نے اس کی تعریب فرمائی تھی اور حال ہی میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث استاذ گرامی قدس حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے بھی آسان عربی میں اس کتاب کو منتقل فرمایا۔ انہیں تمام مباحث کو ”اصطلاحات اصول تفسیر“ کے نام سے اردو زبان میں اختصار و تسہیل کے ساتھ افادہ عام کے مقصد سے پیش کیا جا رہا ہے، جس کی تیاری میں ”التحصیر فی التفسیر“ ”اشرف التفاسیر“ ”بیان القرآن“ اور ”علوم القرآن“ سے بھی مدد لی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس رسالے کو نافع بنائے، مؤلف، اس کے والدین و اساتذہ اور معاونین و مخلصین کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین!

افتخار احمد قاسمی بستی / استاذ جامعہ اکل کوا

۷ ارجحادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ - ۲۹ اپریل ۲۰۱۳ء بروز جمعہ

مُقَدِّمَةٌ

اصول تفسیر

اللہ کے کلام کی مراد کو کھولنے اور واضح کرنے کے لیے علمائے امت نے کچھ اصول و ضوابط بنائے ہیں، انہیں اصول و ضوابط کا مجموعہ امت کے سامنے ”اصول تفسیر“ کی شکل میں سامنے آیا ہے، جو ”فن اصول تفسیر“ کے نام سے مدون ہے اور مدارس و جامعات میں پڑھا، پڑھایا جاتا ہے۔

تعریف: کسی بھی ”فن“، اصطلاحی بات“ اور قاعدے کی پہچان کرانے کو ”تعریف“ کہتے ہیں، جس کا دوسرا نام ”حد“ ہے۔ حد کی دو قسمیں ہیں: (۱) حد اضافی (۲) حد لقی
حد اضافی: کسی بھی فن کا نام اگر دو یا اس سے زائد لفظوں سے مل کر بنا ہے تو ہر لفظ کے لغوی معنی بتلا دینا ہی ”حد اضافی“ کہلاتا ہے۔

مثال: اصول تفسیر“ یہ ایک فن ہے، جو دو لفظوں اصول اور تفسیر سے مل کر بنایا گیا ہے (اصول اور تفسیر) تو اصول اور تفسیر کے لغوی معنی بتا دینا ”حد اضافی“ کہلائے گا۔
حد لقی: کسی بھی فن کے ”موضوع“ اور ”غرض و غایت“ کو ملا کر تعریف کرنے کو ”حد لقی“ کہتے ہیں۔ مثال آرہی ہے۔

اصول تفسیر کی حد اضافی:

”اصول تفسیر“ میں دو لفظ ہیں: اصول اور تفسیر، اصول: جمع ہے، اس کا واحد

”اصل“ ہے۔ لغت میں اس کے معنی ہیں: جزاء، اساس، بنیاد، ایسی شئی جس پر کوئی دوسری شئی ٹھہرے اور قائم رہے۔

تفسیر کے لغوی معنی واضح کرنا اور بیان کرنا ہے، یہ لفظ باب تفعیل کا مصدر ہے
فَسَّرَ يُفَسِّرُ تَفْسِيرًا استعمال ہوتا ہے (۱)۔

اصول تفسیر کی لغوی تعریف: اصول: جزاء، بنیاد، تفسیر: کھولنا و واضح کرنا۔

حد اضافی کے عنوان سے اصول تفسیر کی جو ”حد اضافی“ اوپر پہلے ذکر کی گئی ہے، اسی کو ”لغوی تعریف“ بھی کہتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ ”حد اضافی“ کا دوسرا نام ”لغوی تعریف“ بھی ہے۔

اصول تفسیر کی حد لقی:

اصول تفسیر ایسے قواعد و اصول کے جاننے کا نام ہے جن سے قرآن کریم میں اللہ کی مراد کو بشری طاقت کے بقدر صحیح صحیح جانا جاسکے۔

اصطلاحی تعریف: ”حد لقی“ ہی کا دوسرا نام ”اصطلاحی تعریف“ ہے۔ گویا کہ کہہ سکتے ہیں کہ ”اصول تفسیر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ایسے قواعد و اصول کو جانا جائے جن سے قرآن میں اللہ کی صحیح صحیح مراد انسانی طاقت کے بقدر معلوم ہو سکے۔

(۱) تفسیر تفسیر کی اصطلاحی تعریف عربی زبان میں یہ ہے ”التَّفْسِيرُ عِلْمٌ يَبْتَغِي فِيهِ عَنِ الْقَوْلِ الْفَصْحَ مِنْ حَيْثُ ذَلَّلَتْهُ عَلَى مُرَادِ اللَّهِ تَعَالَى بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ“ (الغور الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱۳، جدید نسخہ عربی ترجمہ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ، مطبوعہ مکتبہ مجاز دیوبند) فن تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم سے اس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے کہ اللہ کی مراد کس آیت سے کیا ہے، انسانی طاقت کے بقدر اس کا پتہ لگایا جائے۔ اس تعریف میں دو باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے: (۱) موضوع (۲) غرض و غایت۔ موضوع تو قرآن کریم ہے اور غرض و غایت صحیح مراد لکھنا ہو، غرض اس پر عمل ہے، انہیں دونوں باتوں سے مل کر حد لقی اور تعریف کی گئی ہے۔

موضوع: اصول تفسیر کا موضوع قرآن کریم، اس کی آیات اور ان سے اخذ کردہ اصول ہیں۔
غرض و غایت: اصول تفسیر کی غرض و غایت خدا تعالیٰ کی ”صحیح مراد تک رسائی“ اور اس پر ”عمل“ ہے، تاکہ دارین کی سعادت ملے اور معاوی کی اصلاح ہو۔

اصول تفسیر کی فضیلت: کسی بھی فن کی فضیلت اس کے موضوع سے ظاہر ہوتی ہے، اصول تفسیر کا موضوع ”قرآن کریم“ ہے، قرآن کی فضیلت کس کو نہیں معلوم؟! کہ یہ کلام الہی ہے، صفت خداوندی ہے، اللہ بھی باقی، اس کی صفت بھی باقی، تو اسی صفت کلام کو موضوع بنانے والا بھی باقی رہے گا۔ یہی اس فن کی فضیلت کے لیے کافی ہے، پھر بھی کچھ اور فضیلتیں حوالہ قلم ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی خود ہی تفسیر و تشریح فرمائی ہے، اس کے لیے ”ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ“ (القیامہ: ۱۸) ارشاد فرمایا ہے کہ پھر ہماری ذمہ داری اس کلام کی تفسیر و تشریح ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے ”کلام کے“ ”مفسرِ اول“ ہیں، اور یہ بات فضیلت کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مفسرِ اول ہیں۔ اب جو بندہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تفسیر میں اشغال و مصروفیت رکھے گا، صحیح مراد تک پہنچنے کے لیے اصول تفسیر اور قواعد و ضوابط کی چھان پچھ میں اپنا وقت لگائے گا وہ خدا والے عمل میں مشغول ہوگا، خدا تعالیٰ بڑے، اس کا عمل بڑا، اسی بڑے عمل میں یہ بندہ بھی مشغول، تو رفعت و بڑائی اس بندے کا بھی حصہ ہوگی (انشاء اللہ!)۔

(۲) قرآن کریم کے معانی کھول کر بیان کرنے کا فریضہ، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تھا، جس سے صحیح مراد قرآنی صحابہ کرام کو بتلانا مقصود تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ، وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (سورہ نمل: ۴۴)۔ اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے لیے نازل کردہ چیزیں بیان کر کے بتلا دیں، اور تاکہ وہ غور کریں۔

مذکورہ بالا آیت کے پیش نظر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اور اس کے اصولوں کی تفسیر و تشریح، کبھی تو اپنے قول و کلام سے فرمائی، تو کبھی اپنے افعال و سیرت سے، گویا کہ قرآن اور اس کے اصولوں کے ”مفسر ثانی“ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی اقتدا میں قرآن اور اس کے اصولوں کو پڑھنا، مراۃ قرآنی کو جاننا اور بتلانا یقیناً فضیلت کی بات ہوگی۔

(۳) تفسیر قرآن اور اس کے اصولوں کی جانکاری اتنی فضیلت و اہمیت کی چیز ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خدا تعالیٰ سے دلانے کی باضابطہ ان الفاظ میں دعا فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ (رواہ الحاکم) خدایا! انہیں (جو میرے چچا زاد بھائی ہیں) قرآن (کی تفسیر و تشریح اور اس کے اصولوں) کا علم عطا فرما!

بخاری شریف میں تو یہی الفاظ ہیں، البتہ امام حاکم نے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یہی دعا یوں نقل فرمائی ہے: اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ التَّوِيلَ (رواہ الحاکم) اے اللہ! انہیں (جو میرے ہی چچا کے فرزند ہیں) تاویل و تفسیر سکھلا دے۔

طویل صحبت یافتہ، قدیم صحابی اور معلم قرآن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآن مجہی، عبقری شخصیت اور مہارت

کی صاف شہادت دی ہے، چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح نقل کیا ہے: نَعَمْ تَرَجَمَانُ الْقُرْآنِ ابْنُ عَبَّاسٍ (رواہ الحاکم) ابن عباس قرآن کریم کے کتنے عمدہ اور ماہر ترجمان ہیں!۔ (۴) حدیث شریف میں آیا ہے ”خَوِّرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ“ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اُسے سکھائے۔ اس حدیث میں ”قرآن سیکھے“ کا لفظ عام ہے، قرآن کے الفاظ سیکھے اور اصول و تفسیر پڑھے اور پڑھائے۔ اصول تفسیر اور تفسیر و معانی مراد لینا زیادہ لائق ہے جس سے ”اصول تفسیر“ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

تفسیر و تاویل:

محققین علمائے امت کے نزدیک جو معنی تفسیر کے ہیں، وہی معنی تاویل کے بھی ہیں، بالفاظ دیگر تفسیر اور تاویل دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ متاخرین:

متاخرین علمائے امت کے نزدیک تفسیر اور تاویل دونوں میں فرق ہے، دونوں کے الگ الگ معنی ہیں۔ چنانچہ امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: تفسیر کی تعریف یہ کہ کسی لفظ کی مراد کو یقینی طور پر بتلائے کہ اس لفظ کی مراد بلاشبہ یہی ہے، اور گواہی دی جائے کہ اللہ نے اس لفظ سے یہی مراد لیا ہے۔

تفسیر صحیح:

تفسیر صحیح ایسی تفسیر کو کہتے ہیں جس میں کسی لفظ کے معنی قطعی، قطعی دلیل سے متعین کئے جائیں، یا کوئی قرینہ پایا جائے۔

تفسیر بالرائے:

تفسیر بالرائے ایسی تفسیر کو کہتے ہیں جس میں کسی لفظ کے معنی قطعی طور پر مقرر کیے جائیں، لیکن کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔

بالفاظ دیگر تفسیر بالرائے ایسی تفسیر کا نام ہے جو اپنی طرف سے اور خواہش سے کی جائے جس سے شریعت کا کوئی قطعی واجماعی مسئلہ بدل جائے، یا سلف کے کسی متفقہ عقیدہ کے خلاف ہو۔

تاویل:

کسی لفظ یا آیت کے چند معانی ہوں، جن میں سے کسی ایک معنی کو کسی غیر قطعی دلیل سے مراد لے لیا جائے تو اس کو تاویل کہتے ہیں۔

پہلا باب:

علوم خمسہ کا بیان

علوم خمسہ (۱):

”علوم خمسہ“ وہ پانچ علوم ہیں جن کو قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، پورا قرآن پڑھ جائے، آپ کو یہی پتہ چلے گا کہ قرآن کریم میں انہیں ”پانچ علوم“ سے

(۱) اللہ تعالیٰ نے ”علوم خمسہ“ کو قرآن کریم میں قدیم عرب کے طرز پر بیان فرمایا ہے، متاخرین علماء اور جدید عرب کے طرز پر بیان نہیں کیا ہے۔ اسی لیے احکام کی آیتوں میں ایسا اختصار آپ نہیں پائیں گے جس کو ”اہل متون“ اختیار کرتے ہیں، نیز اس میں نہ تو بلا ضرورت مختلف طرح کی قیود ہیں، کیوں کہ یہ قیود اہل اصول کا طریقہ رہا ہے، البتہ یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”آیات جمل وخصاصہ“ میں محکم یعنی مد مقابل کو عوام کے نزدیک مشہورات مسلمہ قواعد کے ذریعہ اور خطابات نافعہ (لفظی ظنی و مقبول باتوں سے مرکب قیاس) کے ذریعہ زیر کیا ہے۔ اہل منطق کے انداز پر دلائل کی تفتیش نہیں کی ہے، نہ ہی ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہونے کے لیے کسی انسانی امر مناسب کا لحاظ کیا ہے جیسا کہ متاخرین علماء کا طرز ہے۔ بل کہ جو چیزیں بندوں کے لیے جب ضروری ہوئیں، بتلا دیا جائے اس میں تقدیم ہو یا تاخیر۔

ہر آیت کے لیے شان نزول کی ضرورت نہیں: عام مفسرین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ آیات جمل اور آیات احکام میں سے ہر آیت کے شان نزول کے لیے کوئی نہ کوئی قصہ بیان کرتے ہیں، اور اسی قصہ کو شان نزول سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم کے دنیا میں اتارے جانے کا اصلی مقصد تو باطل عقائد کا یک لخت حاتمہ اور انسانوں کی اصلاح و فلاح ہے، لہذا عقائد باطلہ کا انسانوں کے دماغوں میں موجود رہنا ہی ”آیات جمل“ کا شان نزول ہوگا اور لوگوں کے عقائد کا بگاڑ اور اعمال فاسدہ میں اشکال ”آیات احکام“ کا شان نزول ہوگا۔ اسی طرح لوگوں کی غفلت شعاری، اللہ کے انعامات سے نصیحت قبول نہ کرنا، خدا کے عذاب کے واقعات سے اپنے کو نہ سنبھالنا اور موت و حشر کے واقعات سے غافل رہنا، یہی سب باتیں ”آیات تذکیر“ کا شان نزول ہیں اور ہر آیت کے لیے شان نزول تلاش کرنا یا بیان کرنا ایک امر زائد ہے جس کی تفسیر میں، چنداں ضرورت نہیں، ہاں کچھ جزوی واقعات جن کی توضیح پر آیت کی تفسیم منحصر ہو اس کو بیان کرنا ضروری ہے۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

گفتگو کی گئی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) علم الاحکام (۲) علم الجدل (۳) علم التذکیر بالاء اللہ
(۴) علم التذکیر بایام اللہ (۵) علم التذکیر بالموت وما بعد الموت

(۱) علم الاحکام

احکام کی بحث میں ”قاعدہ کلیہ“ یہ ہے کہ ہمارے سردار، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس دنیا میں ”ملت ابراہیمی حنفی“ کے ساتھ ہوئی ہے، لہذا اسی ملت ابراہیمی کے شرائع کی بقا ضروری ہے، جس کے بنیادی مسائل میں چنداں تغیر نہ ہو سکے، البتہ یہ کہ بعض جگہ تعیم کو تخصیص میں بدلنا یا مطلق کو مقید کرنا، اس کی گنجائش ہے۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری دنیا کی اصلاح ہو، تو شریعت محمدی کے اجزائے ترکیبی اور بنیادی مادے میں عرب کی قدیم عادات و صالح اطوار کو داخل فرمایا۔ چنانچہ اگر آپ ملت حنفی ابراہیمی کے شرائع پر ایک مجموعی عمیق نظر ڈالیں اور عرب کی عادات و اطوار کا جائزہ لیں پھر شریعت محمدی میں غور کریں تو آپ کو یقیناً پتہ چلے گا کہ ہر حکم کا کوئی سبب ہوتا ہے اور ہر امر و نہی کے لیے ایک مصلحت ہوتی ہے جس کی تفصیل طویل ہے۔

تحریف شدہ ملت ابراہیمی کی اصلاح میں شریعت اسلامیہ کا جو ہری کردار ملت ابراہیمی کی عبادتوں میں طرح طرح کی خرابیاں درآئی تھیں، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ذکر الہی کا اصلی طریقہ بدل کر اختراعی طریقہ جنم لے چکا تھا۔ جس کا ایک دوسرا سبب یہ تھا کہ مذکورہ عبادتوں میں سے اکثر کی لوگوں کو خبر ہی نہیں تھی جس کی وجہ سے آپس میں بیٹھ کر اختلاف کیا کرتے تھے، اور جاہلیت کے زمانے کی تحریفات ان

عبادتوں میں داخل کرتے۔ اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرما کر ان تمام فسادات و بگاڑ پر انگلی رکھی جو ان میں پھیلے ہوئے تھے، جس سے اصلاح ہوئی اور ملت ابراہیمی صحیح شکل میں سامنے آئی۔ رہی بات ”تدبیر منزل“ کی، جس کو عائلی زندگی اور گھریلو رہن سہن کہہ سکتے ہیں تو اس میں بھی نہایت نقصان دہ قسم کے رسم و رواج جڑ پکڑ چکے تھے، اور خانگی زندگی میں ایک دوسرے کی حق تلفی اور ظلم و تعدی عام تھی، جس سے شہری زندگی کے حقوق کی ادائیگی پر اثر پڑ رہا تھا اور ”سیاست مدینہ“ کے احکام پر عمل متروک تھا۔ ایسے حالات میں قرآن اترا، ”گھریلو زندگی“ اور ”شہری زندگی“ کے اصول و ضوابط بتلائے، اور ہر ایک کے لیے گھریلو اور بیرونی زندگی کی حدود مقرر کیں۔ اور ”تدبیر منزل“ و ”سیاست مدینہ“ میں صغیرہ و کبیرہ گناہوں کی تعیین فرمائی، تاکہ امت ان سے بچ کر اپنی آخرت سنوارے۔ قرآن کریم میں نماز سے متعلق احکام کی آیات مختصر طور پر اتاریں جس میں ”اقامہ صلاۃ“ کا جامع لفظ استعمال کیا، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اقامت صلاۃ“ کی تشریح فرمائی کہ نماز کے لیے مسجد بنائی جائے، مسلمان جماعت بنا کر ایک امام کے پیچھے، مسجد میں، اذان دے کر، نماز کے مقررہ اوقات میں پانچ مرتبہ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھیں۔ احکام کی آیتوں میں ”زکوٰۃ“ کو قرآن میں اجمالی طور پر بیان کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کا نصاب، بکری، گائے، اونٹ اور سونا چاندی میں زکوٰۃ کی مقدار، نصاب کی تعیین اور مستحقین زکوٰۃ کی صاف صاف تشریح فرمائی۔ روزے کے بارے میں احکام کی آیات نازل ہوئیں، جن کا سورۃ بقرہ میں ذکر موجود ہے، کچھ باتیں حج سے متعلق سورۃ بقرہ میں بھی ہیں، سورۃ بقرہ اور سورۃ انفال میں ”جہاد“ کا ذکر ہے، جہاد کا کچھ تذکرہ متفرق طور پر بھی مختلف سورتوں میں آیا ہے۔ ”مائدہ“ اور ”نور“ نامی سورتوں میں

”حدود اللہ“ کا ذکر ہے، ”سورۃ نساء“ میں میراث کے مسائل و احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح نکاح، طلاق، خلع وغیرہ سے متعلق احکام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ”سورۃ طلاق“ ”سورۃ نساء“ اور سورۃ بقرہ میں اصولی طور پر کر دیا ہے۔ یہ تمام آیات ”علم الاحکام“ سے متعلق ہیں، جن کو علمائے اصول فقہ نے شمار کر کے پانچ سو آیتوں تک پہنچایا ہے۔

(۲) علم الجدل ”علم الجدل“ کا ایک دوسرا نام ”علم الخاصمہ“ بھی ہے: تعریف: علم الخاصمہ یا علم الجدل ایسا علم ہے جس میں مشہور چار فرقے: مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین سے گفتگو کی جاتی ہے۔

جدل کے دو طریقے: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جدل کے دو طریقے استعمال کیے ہیں: پہلا طریقہ: جدل و محاصرت کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باطل عقیدہ بیان کرتے ہیں، پھر اس کی قباحت ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے اپنی طرف سے نہ ہونے کو بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس عقیدے کا حکم نہیں دیا۔

دوسرا طریقہ: جدل کا دوسرا طریقہ قرآن کریم میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے بے بنیاد شبہات کو پہلے بیان کرتے ہیں، پھر ”دلیل برہانی“ (۱) یا ”دلیل خطابی“ سے اس کا جواب دیتے ہیں۔

(۱) دلیل برہانی: ایسا قیاس جو عقیدیات سے مرکب ہو اس کو ”دلیل برہانی“ کہتے ہیں۔ دلیل خطابی: ایسا قیاس جو ظنی یا مقبول مقدماتوں سے مرکب ہو اس کو ”دلیل خطابی“ کہتے ہیں۔

مشرکین، منافقین، یہود، نصاریٰ

مشرکین:

قرآن کریم میں مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ سے مجادلے کا بیان ہے، تو یہاں اب مشرکین مکہ کی کچھ تفصیل دی جا رہی ہے جو خاصے کے صریح مخاطب تھے۔ اُس وقت جو مشرکین، مکہ میں رہتے تھے وہ اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے۔

حنیف (۱): دین ابراہیمی اور اس کے احکام ماننے والے کو حنیف کہتے ہیں۔

ملت ابراہیمی کے شعائر:

ملت ابراہیمی کے شعائر حسب ذیل تھے:

(۱) حج بیت اللہ (۲) استقبال قبلہ

(۳) غسل جنابت (۴) ختنہ

(۵) ۱۰ ارخصال فطرت (۶) ”اشہر حرم“ (۷) کی حرمت

(۸) مسجد حرام کی تعظیم (۹) نسبی اور رضاعی رشتہ داروں کی تحریم

(۱۰) ذبح کرنا (۱۱) نحر کرنا

(۱۲) ذبح اور نحر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی

(۱) حنیف: اس کی جمع خفاء آتی ہے، یہ لفظ فعل کے وزن پر آتا ہے، لغوی معنی: ناکل ہونا؛ حنیف: تمام ادیان سے ہٹ کر سیدھے دین کی طرف ناکل ہونے والا۔ اصطلاحی تعریف: دین ابراہیمی پر عمل کرنے والے کو حنیف کہتے ہیں۔

(۲) ارخصال فطرت: یہ کل دس ہیں: (۱) مونچھ کترنا۔ (۲) داڑھی بوجھنا۔ (۳) سواک۔ (۴) ناک میں پانی لے جانا۔ (۵) کلی کرنا۔ (۶) ناخن کاٹنا۔ (۷) ہڈیوں کے جوڑ دھوننا۔ (۸) بغل کے بال اکھاڑنا۔ (۹) مونے زیر ناف حلق کرنا۔ (۱۰) بقیہ ص.....

شرايع ابراہیمی:

ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں حسب ذیل چیزیں تھیں:

(۱) وضو	(۲) نماز	(۳) روزہ
(۴) صدقہ و خیرات	(۵) پریشان حال کی مدد	(۶) صلہ رحمی
(۷) قتل کی حرمت	(۸) چوری کی تحریم	(۹) زنا کی حرمت
(۱۰) سوؤ کی ممانعت	(۱۱) غصب کی ممانعت	

مذکورہ صدر تمام نیک اعمال اور برے اعمال کا چرچا مشرکین عرب میں موجود تھا، نماز، روزہ، اور صدقہ و خیرات کو اچھا سمجھتے، اس کی تعریف کرتے۔ قتل و خوں ریزی، سوؤ اور زنا کاری کو برا جانتے، اس کی برائی ایک دوسرے سے بیان بھی کرتے۔ لیکن عام مشرکین کا حال یہ تھا کہ اچھے اعمال کا ان کی زندگیوں میں کوئی وجود نہ تھا، اور نفس و شیطان کی پیروی میں سارے برے اعمال کرتے تھے۔

عقائد ابراہیمی:

مشرکین مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدے موجود تھے۔ دنیا بنانے والے صانع حقیقی خداوند قدوس کو وہ مانتے تھے، آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا اسی کو

بقیہ ص..... (۱۰) استنجا کرنا۔ مسلم شریف میں ہے کہ راوی کہتے ہیں کہ شمار میں دسویں چیز میں بھول گیا (رواہ مسلم، مشکوٰۃ رقم الحدیث ۳۷۹) تھا شاید وہ کلی کرنا ہو۔ (۳) اشہر حرم: ۴ ہیں: زانی قہرہ، ذی الحجہ، محرم، رجب، اس کی حرمت کا مطلب یہ ہے کہ ہن مہینوں میں نیک کام پر ثواب ملے گا اور گناہوں میں شدت زیادہ ہوگی، بیان القرآن ۱۱۰/۱ میں ہے کہ ”جمہور ائمہ دین کا اجماع ہے کہ اشہر حرم میں اب قتل و قتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہیں لیکن افضل اب بھی یہی ہے کہ ہم حرم میں ابتدا بالقتال نہ کرے۔“

جانتے تھے، بڑے بڑے حوادث و واقعات کا وقوع اسی کی طرف سے جانتے تھے۔ رسولوں کی بعثت، جزا و سزا کا نفاذ، بندوں کے اعمال کا حساب یہ سب کچھ وہ مانتے تھے۔ بڑے بڑے حالات کا تقدیر میں ہونا، ان کے واقع ہونے کا وقت خدا ہی کو معلوم ہے، یہ سب عقائد رکھتے تھے۔ ملائکہ کو مانتے تھے، فرشتوں کو خدا کے مقرب بندے تصور کرتے تھے، ان کو تعظیم کا مستحق بھی قرار دیتے تھے۔ یہ سب باتیں مشرکین مکہ کے اشعار میں ملتی تھیں اور آج بھی ملتی ہیں، لیکن عام لوگ ان عقائد پر شبہات میں پڑے تھے، اور ان کو اس کا پکا یقین نہ تھا۔

مشرکین کی گمراہی:

مشرکین عرب کی گمراہی میں آخرت کا انکار، رسالت و نبوت کو نہ ماننا، خدا کی ذات و صفات میں شریک ٹھہرانا، تشبیہ و تحریف کا قائل ہونا، داخل تھا۔ مزید برآں آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا، گندے گندے افعال کا مرتکب ہونا، باطل رسم و رواج کی تقلید کرنا اور خدا کی عبادت کی جگہ بتوں کو پوجنا بھی شامل تھا۔

شرک کی تفصیل

شرک: اللہ کی خاص صفات کو غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا ”شرک“ کہلاتا ہے۔

مثال: ۱۔ تصرف بالارادة: عالم میں اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے جو تصرف و تبدیلی کرنا چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں اسی کو ”کن فیکون“ (۱) کی صفت و طاقت بھی کہتے ہیں۔ اس صفت میں اللہ تعالیٰ تنہا ہیں، کسی اور کو اس تصرف میں شامل کرنا ”شرک فی الصفت“ ہے۔

(۱) کن: خدا کا حکم ہوتا ہے۔ کن دُفْعَةً فَيَكُونُ دُفْعَةً اور کن اِسْتِزْاجًا فَيَكُونُ اِسْتِزْاجًا۔ (یمان القرآن)

۲۔ علم ذاتی: اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ”علم ذاتی“ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ جانتے ہیں وہ سب اس کا ذاتی ہے، جو اس خمسہ ظاہرہ یا باطنہ (۱) سے یا عقل سے، یا خواب و الہام سے حاصل شدہ علم نہیں ہے۔ اس صفت علم ذاتی میں اللہ تعالیٰ تنہا ہیں، کسی اور کو اس صفت میں شامل کرنا شرک کہلاتا ہے۔

۳۔ شفا دینا۔

۴۔ کسی کو ملعون بنانا۔

۵۔ کسی سے ناراض ہونا۔

۶۔ کسی پر رحمت نازل کرنا۔ یہ تمام صفات خدا ہی کے ساتھ خاص ہیں، کسی نے اگر ان صفات میں خدا کے علاوہ کسی اور کو شامل کیا تو شرک کیا۔

مشرکین مکہ کا شرک کیسا تھا؟:

مشرکین مکہ کا شرک ذاتی نہیں تھا، وہ کسی کو جواہر کی تخلیق میں خدا کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے، نہ ہی بڑے بڑے امور میں کسی کو شریک ٹھہراتے، نہ ہی کسی کے لیے قدر و ممانعت ثابت کرتے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی امر کو جوہر میں لانے کا پختہ فیصلہ کر لیا ہے (تو دوسرا کوئی اس کو منع کرنے کی قدرت رکھے) بلکہ شرکین مکہ کا شرک یہ تھا کہ اللہ کے بعض بندوں کو خاص خاص باتوں میں اللہ کا شریک ٹھہراتے اور گمان کرتے کہ جس طرح ایک بڑا بادشاہ اپنے سکریٹریوں اور وزیروں کو اپنے ملک کے اطراف و اکناف میں حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجتا ہے، اور بعض جزئی کاموں میں انہیں کو فیصلہ لینے کا اختیار دے دیتا ہے، اپنے خود اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ نہیں لیتا، سوائے کسی خاص امر کے

(۱) حواس خمسہ ظاہرہ: ۱۔ ذائقہ، ۲۔ بصر، ۳۔ سونگھنا، ۴۔ لمس، ۵۔ سوج۔ باطنہ: خیال، حافظہ، دہم، متصرف، جس مشرک

جس میں صراحت کے ساتھ بادشاہ کا فرمان صادر ہو؛ بقیہ تمام کاموں میں رعایا اور عوام کو، حکام و فرماں رواؤں کے حوالے کر دیتا ہے، انہیں حکام کی سفارش قبول کرتا ہے اگر وہ اپنے خدام کے حق میں سفارش کریں، بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو ”خدا کی لباس“ پہنا دیا ہے، اب یہی بندے ایسے ہیں کہ انہیں کی ناراضگی اور خوشنودی، اللہ کے دوسرے بندوں کی اللہ سے ناراضگی و خوشنودی میں موثر ہے، اسی لیے دیگر بندگان خدا انہیں مقرب بندوں کا قرب حاصل کرنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں، تاکہ مالکِ حقیق کے ساتھ ان کا بھی قرب بڑھے، اور ان کی بھی درخواستیں ان کے ذریعے منظور ہوں۔

مشرکین سے جدل کا طریقہ:

اللہ تعالیٰ نے اصولاً چار جماعتوں سے مجادلے کا حکم دیا ہے:

(۱) مشرکین (۲) منافقین (۳) یہود (۴) نصاریٰ

ان میں سے مشرکین سے مجادلہ کرنے کا تین طریقہ ہے:

(۱) مشرکین سے ان کے عقیدے پر دلیل مانگی جائے۔ اگر وہ اپنے اسلاف کی تقلید کو دلیل بنائیں تو اسے توڑا جائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اور مشرکین کے اسلاف کے درمیان عدم تساوی یعنی فرق کو ثابت کیا جائے۔

(۳) توحید پر تمام انبیائے کرام کا اجماع ہے، اس کو بیان کر کے مشرکین کے شرک کو باطل کیا جائے اور بتوں کی عبادت کی برائی بیان کی جائے کہ انسانی کمال سے بھی تمام بت خالی ہیں، تو خدائی کمال ان میں کیسے آسکتا ہے؟

مشرکین کا شرک تشبیہ:

پہلے بیان آچکا ہے کہ مشرکین مکہ انسانی صفات کو خدا کے لیے ثابت کرتے اور خدا کو بشری صفات کے مشابہ قرار دیتے، اسی کو ”تشبیہ“ کہتے ہیں۔ مشرکین کے اس شرک کو باطل کرنے کا ۳ طریقہ ہے:

(۱) مشرکین کے دعویٰ تشبیہ پر دلیل کا مطالبہ کیا جائے اور ان کے آباؤ اجداد کی تقلید کو باطل قرار دیا جائے۔

(۲) ثابت کیا جائے کہ باپ اور بیٹے میں مجانست و مناسبت ہوتی ہے، یہاں تشبیہ میں مجانست بداہتہ نہیں ہے۔

(۳) اپنی ناپسندیدہ چیز کو عظیم خدا کی طرف منسوب کرنے کی برائی بیان کی جائے۔

منافقین سے جدل

نفاق کی قسمیں: نفاق کی دو قسمیں ہیں: (۱) نفاق عملی (۲) نفاق اعتقادی

نفاق عملی: نفاق عملی کی تعریف یہ ہے کہ آدمی اسلام میں دل سے داخل ہو لیکن عمل اسلام میں کمزور ہو۔

نفاق اعتقادی (۱): نفاق اعتقادی کی تعریف یہ ہے کہ آدمی اسلام میں دل سے نہ داخل ہو، دل میں کفر رکھے اور ظاہر میں اسلام۔

نفاق عملی کی شکلیں: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۱ھ) نے ”الغور الکبیر فی اصول التفسیر“ میں نفاق عملی کی ۶ شکلیں تحریر فرمائی ہیں:

(۱) قرآن کریم میں جو نفاق کی مذمت اور منافقین کی سزا کا ذکر ہے کہ ”إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ“ (النساء: ۴۵)۔ اس سے نفاق اعتقادی مراد ہے۔

- (۱) اپنی قوم کی موافقت کہ اگر وہ اسلام پر باقی رہے تو یہ بھی باقی رہیں گے ورنہ یہ بھی اسلام ترک کر دیں گے۔
- (۲) نفاقِ عملی کی ایک شکل یہ تھی کہ دل میں دنیا کی محبت پوری طرح بھری تھی، اب اس میں محبتِ رسول اور محبتِ اسلام کے لیے کوئی جگہ باقی نہ تھی۔
- (۳) ایسے لوگ بھی تھے جن کے سینوں میں حسد، کینہ، بغض اور مال کی حرص کی آگ ایسی بھڑگ رہی تھی کہ توجہ الی اللہ اور مناجات کے لیے سینوں میں جگہ ہی نہ تھی۔
- (۴) دنیاوی اور معاشی کاموں میں مشغولیت اور آخرت سے غفلت بھی نفاقِ عملی کی ایک شکل تھی۔
- (۵) ایسے بھی لوگ تھے جو کمزور مسلمان تھے، ان کے دلوں میں رسالتِ محمدیؐ کے بارے میں شک و شبہ آتا رہتا تھا۔
- (۶) قبیلوں کی محبت اور تعصب بھی نفاقِ عملی کی ایک شکل میں داخل تھا۔
- نفاقِ اعتقادی کا حکم:** نفاقِ اعتقادی کا حکم یہ ہے کہ ایسے منافق کو جو نفاقِ اعتقادی رکھتا ہو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”ان المنافقین فی الدارک الاسفل من النار“ نفاقِ اعتقادی والے منافق ہی کے بارے میں ہے۔
- نفاقِ عملی کا حکم:** نفاقِ عملی کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کرنے سے معاف کر دیں گے، اگر کوئی بغیر توبہ کئے مر گیا، تو نفاقِ عملی کی سزا کے لیے دوزخ میں جائے گا، پھر اس کی سزا پوری ہو کر اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ نفاقِ عملی گناہِ کبیرہ کے مثل ہے۔

منافقین سے جدل کا طریقہ:

- منافقین سے جدل کا طریقہ، جو قرآن کریم میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ:
- (۱) اللہ تعالیٰ منافقین کے باطل خیال کو بیان کرتے ہیں، اس کی برائی ذکر کرتے ہیں، پھر صرف اس سے اظہارِ نفرت فرماتے ہیں۔
- (۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ منافقین کے شبہات ذکر کرنے کے بعد ان کو دلیلوں سے ختم کرتے ہیں۔

نوٹ: یہی دونوں طریقے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ بھی اپنائے گئے ہیں۔

ایک قاعدہ کلیہ: قرآن کریم کا مقصود تمام طرح کے مفاسد کو ختم کرنا ہے، اور مفاسد کلی طور پر چار باتوں میں منحصر ہیں:

- (۱) شرک (۲) نفاق (۳) یہودیت (۴) نصرانیت۔
- آج بھی اسی لیے قرآن کریم تمام مفاسد کو ختم کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے کہ یہی چاروں مفاسد پوری دنیا میں اور گھر گھر نام اور رنگ بدل کر نئے لباس میں پائے جاتے ہیں۔

یہود سے جدل کا طریقہ:

یہودیوں کو ان کی ”برائیوں“ سے ہٹا کر اسلام پر لانے کا عمل ”جدل“ کہلاتا ہے۔ جس کے دو طریقے ہیں:

- (۱) قباحتِ عقائد کا ذکر۔ (۲) دلائل سے شبہات کا دفاع۔

یہودیوں کی برائیاں: یہودیوں کو ان کی ضلالت و گمراہی اور مختلف برائیوں سے ہٹانا ہی ”جدل“ کہلاتا ہے، تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہودیوں کی برائیاں اور ضلالت و

گمراہی کس طرح کی تھی، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۷ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”اصول تفسیر“ کی کتاب ”القول الکبیر فی اصول التفسیر“ (۱) میں وہ برائیاں بیان کی ہیں جن کی تعداد سات ہے:

- (۱) یہودی توریت پر ایمان رکھتے تھے، اسی کے باوجود ان کی ضلالت و برائی یہ تھی کہ توریت کی ”تحریف لفظی“ بھی کرتے تھے، ”تحریف معنوی“ بھی۔
- (۲) توریت آسمانی کتاب تھی، پھر بھی اس کی ”آیات“ کو چھپا لیتے تھے۔
- (۳) اپنی طرف سے بنا کر کوئی حکم توریت میں شامل کر دیتے۔
- (۴) احکام توریت کے نافذ کرنے میں کوتاہی کرتے۔
- (۵) اپنے باطل دین کی خوب پشت پناہی کرتے۔
- (۶) خدا اور رسول دونوں کی شان میں گستاخی کرتے۔
- (۷) بخل و حرص وغیرہ عادتیں ان کے اندر موجود تھیں۔

پہلی برائی:

یہودیوں کی تحریف: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۷ھ) کا قول ہے کہ یہودی توریت کے الفاظ میں تحریف و تبدیلی نہیں کرتے تھے، الفاظ تو صحیح پڑھتے، لیکن معانی بدل دیتے تھے۔

عبداللہ بن عباس کا قول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے کہ یہود الفاظ کا ترجمہ تو بدل دیتے تھے، البتہ الفاظ نہیں بدلتے تھے۔

(۱) یہ کتاب دراصل شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۷ھ) نے اپنے زمانے کے طلباء کے لیے فارسی زبان میں لکھی تھی۔ (راقم)

تحریف کی اقسام:

تحریف کی دو قسمیں ہیں: (۱) تحریف لفظی (۲) تحریف معنوی

(۱) تحریف لفظی: کسی بھی آسمانی کتاب کے نازل شدہ الفاظ کو بدل کر اپنے من مانی الفاظ بیان کرنا ”تحریف لفظی“ کہلاتا ہے۔

(۲) تحریف معنوی: کسی بھی آسمانی کتاب کے الفاظ کو اس کے متعین معانی سے ہٹا کر بے جوڑ معانی پر زبردستی محمول کرنا ”تحریف معنوی“ کہلاتا ہے۔

تحریف معنوی کی مثالیں (۱): چوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق توریت میں تحریف معنوی واقع ہوئی تھی، نہ کہ تحریف لفظی، اس لیے تحریف معنوی کی کچھ مثالیں حسب ذیل ہیں:

پہلی مثال: جنت میں داخل ہونے کے حکم کی بنیاد ”ایمان“ ہے کہ اللہ پر اس کے رسول اور آخرت کے دن پر آدمی کا ایمان ہو تو جنت میں داخل ہوگا، اور اس کے برعکس، ایمان نہ ہو تو جنت میں داخل نہ ہوگا، یہی حکم توریت میں بھی تھا، انجیل میں بھی اور یہی حکم قرآن مجید میں بھی ہے۔ اسی حکم کی یہودیوں نے تحریف کر ڈالی، انہوں نے کہا کہ جو یہودی ہوگا وہی جنت میں داخل ہوگا، اور جو یہودی نہ ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہی تحریف معنوی ہے۔

دوسری مثال: اللہ تعالیٰ نے ہر ملت میں ایسے احکام فرض قرار دیے ہیں جو اس زمانے کے

(۱) قرآن کریم نے یہودیوں کی اسی تحریف معنوی کا پردہ چاک کیا۔ سورہ بقرہ: ۸۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَنْبَغِي مَنْ كَتَبَ سَبْقَةً وَ أَحَاطَتْ بِهِ غَيْبَاتُهُ، فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ، هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ**۔ (البقرہ: ۸۱)۔ اس آیت میں بتا دیا کہ اصل حکم کی بنیاد ایمان ہے، ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگا اور اگر ایمان نہیں ہے اور اس کی زندگی طرح طرح کے گناہوں سے لت پت ہے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۵/ رمضان ۱۴۳۱ھ بعد نماز فجر)

مزاج سے ہم آہنگ ہوں اور اس میں قوم کے اخلاق و عادات کی بھی رعایت کی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان احکام پر پابندی سے زندگی بھر عمل پیرا رہنے کی تاکید فرماتے ہیں اور ہمیشہ ان احکام کو حریرِ جان بنانے کا حکم دیتے ہیں، اور اس ہیئتگی کا مطلب ہوتا ہے کہ جب تک دوسرے نئی مبعوث نہ ہوں ان ہی احکام پر عمل ضروری ہے۔ یہودیوں نے اب یہاں پر معنایہ تحریف کر ڈالی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان احکام پر جو عمل کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مطلب ہے کہ ہمیشہ یہودیت کو باقی رکھنے کا حکم دیا ہے، اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کے بعد بھی یہودیت کو باقی رکھنے کا حکم موجود ہے اس لیے ہم یہودیت ہی کو تھامے رہیں گے (۱)۔

تیسری مثال: اللہ تعالیٰ اپنے احکام پر عمل کرنے والوں کو ہر مذہب و ملت میں محبوب بنا لیتے ہیں اور مقرب و محبوب کا لقب عطا کرتے ہیں اور مکر میں احکام پر غضب نازل کرتے ہیں اور ان کا لقب ”مغضوب“ رکھتے ہیں۔ مقرب و مغضوب کے لیے ہر زبان میں جو لفظ ہے اسی لفظ کو بولتے ہیں۔ تو یہودیوں میں مقرب و محبوب لوگوں کے لیے عبرانی زبان میں ”ابن“ اور ”بیٹے“ کا لفظ بولا جاتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مقرب و محبوب لوگوں کو ”ابناء“ کہا۔ یہودیوں نے یہاں تحریف یہ کی کہ احکام کے اطاعت کرنے والوں سے مقرب و ابن کا لفظ چھین کر تمام یہودیوں کے لیے اس لفظ کو عام کر دیا اور تحریف معنوی کر کے کہنے لگے کہ تمام یہودی اللہ کے بیٹے ہیں، لہذا وہ کچھ بھی کریں جہنم میں نہ جائیں گے۔

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے خاندان کو جمع فرما کر جو وصیت فرمائی کہ ایک خدا کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ شرک نہ ٹھہرانا تو اس وصیت کا مطلب تحریف معنوی کے ذریعے یہ نکالتے ہیں کہ آپؑ نے یہودیت پر جسے رہنے کی وصیت فرمائی۔ (الغزالی، ص ۲۸) (۹ رمضان ۱۳۳۱ھ طویل آباد)

دوسری برائی:

کتمان آیات: یہودی اپنے عہدے کی حفاظت، اپنے جاہ کی غرض اور اپنی شہرت کی خاطر توریت کی ان آیتوں کو چھپا لیتے تھے جن پر ان کا عمل نہیں تھا تا کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ توریت کی آیتوں پر خود عمل کرتے نہیں اور ہمیں حکم دیتے ہیں۔
مثالیں:

(۱) توریت میں زانی کی سزا صراحتاً مذکور تھی کہ اسے ”رجم“ (سنگ سار) کرنا ہے، لیکن یہودیوں کے علماء نے طے کر لیا تھا کہ رجم کی جگہ زانی کا چہرہ کالا کر دو اور کوڑے مار کر اسے چھوڑ دو۔ اور رجم والی آیت کو کسی کے سامنے کبھی بھی پڑھ کر نہ سناؤ، اس کو چھپا لو۔ ورنہ راز فاش ہو جائے گا۔

آمتِ توریت کے چھپانے کی دوسری مثال: توریت کی آیتوں میں یہ بشارت مذکور تھی کہ اللہ تعالیٰ اسماعیل اور ہاجرہ کی اولاد میں ایک نبی امی مبعوث فرمائیں گے، جس سے ایک ملت وجود پذیر ہوگی۔ جس کا سرزمین حجاز میں خوب چر چا ہوگا۔ عرفات کے میدان اور اس کے پہاڑ حجاج کرام کے تلبیہ سے گونج اٹھیں گے اور دنیا کے چپے چپے سے لوگ حج کرنے آئیں گے۔ یہ بشارت آج بھی توریت میں لکھی ہے۔ لیکن یہودیوں نے توریت کی اس آیت کو چھپا لیا، کسی نے اگر اتفاق سے دیکھ لیا اور مطلب پوچھ لیا تو جھٹ سے تحریف معنوی کے ساتھ بولے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں ایک ملت کا وجود ہوگا، اس ملت کے اتباع کا ہم کو کہاں حکم دیا گیا ہے۔ ہم کو تو اس سے لڑتے رہنے کا حکم ہے اور اس کے لیے یہ جملہ بار بار دہراتے ہیں ”مَلْحَمَةً“ ”مُحِبَّتٌ عَلَيْنَا“ ایک جنگ ہم پر لازم قرار دی گئی ہے جو اس ملت کے خلاف ہمیں کرنا ہے (۱)۔ (حاشیہ ص ۳۶ پر)

تیسری برائی:

- یہودیوں کی تیسری برائی ”افتر پردازی“ تھی جس کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:
- (۱) یہودی علماء کے اندر، اسی طرح یہودی عابدوں کے اندر شدت اور سخت گیری کا مرض داخل ہو گیا تھا۔
- (۲) شریعت موسویہ کی کسی نقلی دلیل کے بغیر یہودی اپنی غرض کے لیے کھینچ تان کر مسائل مستحکم کر لیتے تھے۔
- (۳) یہودیوں نے کمزور قسم کے دلائل سے مسائل نکالنا شروع کر دیا تھا جس کو ان کے بعد والوں نے اصل توریت سے گمان کیا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار کے لیے ”اقوال سلف“ کو دلیل بنایا جو نہایت کمزور ہے، اس کو بعد کے لوگوں نے توریت میں شامل کر کے توریت کی دلیل بنادیا۔

چوتھی برائی:

توریت پر عمل کرنے میں سستی۔ اس کی وجہ ”نفس کی پیروی (۱) تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي“۔ (پ ۱۳/یوسف)

حاشیہ ص ۳۵ کا: (۱) یہودیوں کی یہ فاسد تاویل اور جہالت کو چوں کہ ہر پڑھا لکھا تسلیم نہیں کر سکتا اس لیے انہوں نے اس کے لیے ایک دوسرا طریقہ اپنایا، وہ آپس میں ایک دوسرے کو دھمیت کر کے مارتے ہیں کہ اس بات کو نفی رکھو کہ اللہ نے یہ آیت اتاری ہے اور ہر خاص و عام کے سامنے آیت بشارت پڑھ کر مت سناؤ، اس کثرت کی مظہر شری اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح فرمائی ہے: ”اتَّخَذُوا نَفْسَهُمْ بَيْنًا بَيْنَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ لِيَخَاجُوهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ“۔ (البقرہ: ۷۶)

(۱) یہود: ”الْأَذْيَانُ وَالْفِرْقَ وَالْمَذَابِيبُ الْمُخَاصِرَةُ“ (ص ۱۵۷) پر درج ہے کہ: ”.....“ ”الْيَهُودِيَّةُ مَا خُوِّفَتْ مِنْ الْيَهُودِ بِمَعْنَى التَّوْبَةِ“ یعنی یہودیت کا لفظ ”یہود“ سے بنا ہے، جس کے معنی توبہ کے آتے ہیں اور اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے ”اتَّخَذُوا إِلَٰهًا“ یہ موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے، جس کے معنی ہیں کہ بیشک ہم (بقیہ ص.....)

یہودی نفس کی پیروی کو چھپا کر دین کے رنگ میں تاویل کر کے اپنی بات کہتے تھے۔

پانچویں برائی:

یہودیوں کی پانچویں برائی خدا اور رسول کی شان میں گستاخی تھی۔ اس کی چند وجہیں تھیں:

(۱) انبیائے کرام کا شادی کے سلسلہ میں مختلف عاداتیں رکھنا، کسی کا کم شادی کرنا، کسی کا زیادہ۔ تو اسی کثرت از واج و قلت از واج کو لے کر، نبی کی شان میں، یہ لوگ گستاخی کرتے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا پہلوں سے مختلف ہونا بھی، گستاخی کا سبب تھا۔

(۳) انبیائے کرام کے معاملے میں سنت اللہ کا مختلف ہونا۔

(۴) آپ کی بعثت کا بنی اسماعیل کے خاندان سے ہونا۔

(۵) اور اس طرح کی اور بھی وجوہات تھیں جن کے باعث یہ لوگ شان محمدی میں

گستاخی کرتے رہتے تھے۔

بقیہ ص..... کا: حیرتی طرف متوجہ ہیں۔ ۲..... یہود کے مابعد افتقار کے سلسلے میں یہ ہے کہ ”تہوید“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”الترجیع بالصوت فی لین و طریب“ یعنی نرمی اور خمکس انداز سے آواز نکالنا۔ یہودی علماء کا حال یہی تھا کہ جب حوام کے سامنے اللہ کی کتاب توریت پڑھتے تو نہایت سر ملی آواز میں پڑھتے، تاکہ حوام آواز کی دھن میں مسب ہو جائیں اور پتہ نہ لگا سکیں کہ توریت سے پڑھا جا رہا ہے، یا اپنی طرف سے توریت میں کچھ ملا کر پڑھا جا رہا ہے، اسی معنی کی وجہ سے ان کو یہود کہا جانے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسی کا منظر کھینچا ہے ”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلْبَسُوْا لِبَاسَكُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنْ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ“ ”اے اپنی زبانیں اس طرح موڑ کر کتاب الہی توریت کو پڑھتے ہیں۔ ۳..... یہود یہود اسے بنا ہے، یہود یوسف علیہ السلام کے ایک بھائی کا نام تھا اسی کی طرف نسبت کر کے یہودی اور یہود کہنے لگے۔ ۴..... یہود مہادۃ سے بنایا گیا ہے اس کے معنی موعودہ کہتے ہیں، وعدہ لینا قرآن میں ہے ”وَوَاعَدْنَا مُوسٰی ثَلٰثِيْنَ لَّيْلَةً... الخ“۔ (پ ۹ اعراف)

اسی طرح چھٹی برائی خدا و رسول کی شان میں گستاخی اور ساتویں برائی بخل و حرص کی عادت بھی یہودیوں کو ذلت کے راستے پر ڈال کر ہی رہی (۱)۔

نصاریٰ سے جدل

نصاریٰ کو ”عقیدہ تثلیث“ اور دوسرے عقائد باطلہ سے ہٹا کر صحیح عقائد پر لانا ”جدل“ کہلاتا ہے۔

قرآن کریم میں نصاریٰ سے جدل کی بہت سی آیات ہیں جن سے نصاریٰ کو عقلاً و ظہراً صحیح راہ دکھائی گئی ہے۔

عقیدہ تثلیث (۱): عقیدہ تثلیث یہ ہے کہ نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو تین اجزا کا مجموعہ مانتے ہیں، جو ایک اعتبار سے متحد اور دوسرے اعتبار سے غیر متحد ہے۔

(۱) اصلاح معاشرہ میں بہت دور رسالت کا کرمان اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ نبوت و رسالت لوگوں کے نفوس کی اصلاح کے لیے ہوتی ہے، لوگوں کی عبادات سنوارنے اور ان کی عادات کو اعتدال پر لانے میں نبوت و رسالت بہت اہم کردار ادا کرتی ہے، یہ سمجھنا غلط ہے کہ نبوت و رسالت ”نیکی“ اور ”گناہ“ کے لیے قانون بناتی ہے، نیکی و گناہ کے قوانین تو خود اللہ تعالیٰ بناتے ہیں۔ بعد ازاں یہ جاننا چاہیے کہ ہر قوم کی عبادت کا طور و طریق الگ الگ ہوتا ہے، تدبیر منزل یعنی ترقی یافتہ تمدن میں خاندانی تعلقات کی نگہداشت؛ اور سیاست مدنی یعنی کسی ایک شہر یا ایک ملک کے لوگوں کے باہمی تعلقات کو محفوظ رکھنا، ان دونوں چیزوں میں ہر قوم و ملت کی عادات جدا گانہ ہوتی ہیں، ان عادات کو، نبوت آ کر، بالکل جڑ سے ختم نہیں کرتی کہ ان کی جگہ دوسری عادات و عبادات لازم کر دے، بل کہ عادات کے درمیان تمیز اور فرق بیان کرتی ہے، جو عادات صالح اور مرضی مولیٰ کے مطابق ہوتی ہیں، نبوت ان کو باقی رکھتی ہے اور جو مرضی مولیٰ کے مطابق نہیں ہوتیں تو ان میں حسب ضرورت اعتدال پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح تدکیر بلاء اللہ اور تدکیر یا ایم اللہ کی آیات عربوں کے معروف طرز پر مذکور ہوئی ہیں۔ انبیائے کرام کی شریعتوں میں اختلاف انہیں عادات کے اختلاف کی بنیاد پر واقع ہوا ہے۔

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، انوار الکبیر، ص ۳۱، ۳۲)

(۲) شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم فاروقی محدث دہلوی (۱۱۳۷ تا ۱۲۱۷ھ) نے سمجھانے کے لیے فرمایا ہے کہ نصاریٰ کے نزدیک ”باپ“ کی اصطلاح فلاسفہ کے نزدیک ”مبدأ عالم“ کی اصطلاح کے مترادف ہے، (بقیہ ص.....)

وضاحت: خدا کو جن تین اجزا کا مجموعہ مانتے ہیں ان میں سے ایک جز کا نام ”باپ“ ہے۔ دوسرے جز کا نام ”بیٹا“ ہے، اور تیسرے جز کا نام ”روح القدس“ ہے۔
اقانیم ثلاثہ: نصاریٰ، ”باپ“، ”بیٹے“ اور ”روح القدس“ تینوں کو ”اقانیم ثلاثہ“ کہتے ہیں۔ اقانیم جمع ہے اقنوم کی۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے دو معنی آتے ہیں:

(۱) اصل (۲) ذات

عقیدہ تثلیث میں توحید کا جبری ثبوت:

نصاریٰ اپنے آپ کو ”موحد“ کہتے ہیں، لیکن ان کا عقیدہ تثلیث ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے اس لیے نصاریٰ اپنے کو موحد ثابت کرنے کے لیے جبری ثبوت اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ”ابن نے روح عیسیٰ کا لباس پہنا، جیسا کہ حضرت جبریل نے انسان کی شکل اختیار کی اسی طرح ”ابن“ نے روح عیسیٰ کی شکل اختیار کی۔ اب عیسائیوں کے نزدیک ”اب، ابن اور روح القدس کا مجموعہ“ خدا کہلاتا ہے، اور مجموعہ واحد ہے، اسی لیے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ واحد خدا کو مان کر موحد قرار پائے۔ (۱)

بقیہ ص..... کا: فلاسفہ کے نزدیک مبداء عالم کے معنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ”ابن“ یعنی بیٹے کو سمجھانے کے لیے فلاسفہ کی اصطلاح ”صادر اول“ لائے ہیں، ابن اور ”صادر اول“ دونوں کا دہجہ ایک ہے، ”صادر اول“ سے مراد فلاسفہ کے نزدیک ”عقل اول“ ہے، فلاسفہ کے نزدیک یہ نظریہ حقیقی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل اول کو پیدا کیا۔ عقل اول سے ثانی کو، ثانی نے ثالث کو، ثالث نے رابع کو، اسی طرح چلتے چلتے عقل تاسع نے عقل عاشر کو پیدا کیا: اب اس وقت عقل عاشر ہی پوری طرح دنیا کا نظام چلا رہی ہے۔ (عقل اول نے پوری کائنات کو بھی پیدا کیا ہے۔) عقل کی تعریف فلاسفہ کے نزدیک یہ ہے: ”عقل ایسا جو ہر ہے جو اپنے افعال میں مادی آلات کا محتاج نہیں ہے اور خدا اور اس کی مخلوقات کے درمیان وجود دینے میں ایک واسطہ ہے۔“

(۱) مفتی تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں کہ ”عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Person) سے مرکب ہے: باپ، بیٹا، اور روح القدس، اسی عقیدے کو ”عقیدہ تثلیث“ (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے۔ (بقیہ ص.....)

عقیدہ تثلیث کی دلیل:

نصاریٰ اپنے عقیدہ تثلیث کو ثابت کرنے کے لیے جو دلیلیں دیتے تھے ان میں ایک دلیل یہ تھی کہ

(۱) ”ترقس“ نامی انجیل میں، اسی طرح انجیل ”لوقا“ میں عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ”ابن“ کا لفظ بولا گیا ہے، انجیل ”یوحنا“ میں بھی ایسا بہت ساری جگہوں پر آیا ہے، جس سے عیسیٰ کا ابن ہونا (جو کہ عقیدہ تثلیث کا جز ہے) ثابت ہوتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خدائی افعال اپنی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً انجیل ”متی“ میں ہے کہ ایک شخص جس کے بدن پر سفید داغ تھے وہ عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، کہنے لگا: ”يَا رَبِّ اِنْ شِئْتَ فَانْتَ قَادِرٌ عَلٰى تَطْهِيرِيْ“ تو عیسیٰ نے کہا: ”فَذِشِئْتَ فَاَطْهَرُ“ میں نے چاہ لیا تو تم پاک ہو جاؤ۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ برص سے ٹھیک ہو گیا۔

دلیل کا جواب:

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے انجیل میں جو لفظ ”ابن“ استعمال ہوا ہے، وہ بیٹے کے معنی میں نہیں ہے، وہ تو ”مقرب اور محبوب“ کے معنی میں ہے، اس کی انجیل میں بھی بہت سی دلیلیں اور قرائن موجود ہیں۔

بقیہ ص..... کا: لیکن بجائے خود عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی بات کہنا بہت مشکل ہے۔ وہ تین اقاہم کون ہیں؟ کہتے ہیں کہ ”خدا“، باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے نام ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ، بیٹا اور کنواری مریم، وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔

(عیسائیت کیا ہے؟ ص ۱۲)

اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے خدا کے فعل کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف حقیقی نہیں ہے بل کہ مجازی ہے، اور یہ مجازی نسبت عام بول چال میں بھی بہت عام ہے، جیسے کہ کوئی کہے: اِنَّا فَتَحْنَا الْبَلَدَ الْفُلَانِيَّ - ہم نے فلاں شہر فتح کر لیا۔ تو اس مثال میں فتح کرنے والی فوج ہے، لیکن فتح کی نسبت اپنی طرف کرنا مجازاً ہے۔

نسبت فعل کا دوسرا جواب:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فعل خدا کی نسبت اپنی طرف کی، اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ خدا ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر وحی کے الفاظ چھپ گئے تھے، جس میں جو لکھا تھا اسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھ کر سنایا ہے، عالم بالا کی طرف سے وحی کے جو بھی الفاظ تھے اور جو نسبت متکلم کے صیغے کے ساتھ تھی اسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھ کر سنائے جس سے ایسا محسوس ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام فعل خدا کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

صحیح عقیدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح عقیدہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ کی پاک روح کو اللہ تعالیٰ نے رحم مریم میں القاء کیا ہے، آپ کی روح القدس حضرت جبرئیل کے ذریعے نصرت فرمائی ہے اور طرح طرح کی عنائیوں سے آپ کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہی مسلمانوں کا عقیدہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

خدا اور عیسیٰ کے درمیان اتحاد کا عقیدہ غلط:

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح بن کر عیسیٰ علیہ السلام کے جسم میں حلول کیا، پھر عیسیٰ اور خدا دونوں متحد ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴ھ، ۱۱۷۶ھ) نے اس عقیدے کی تردید کی ہے، اور وہ اس طرح ہے کہ جب خدا تعالیٰ پہلے روح بنے، پھر حضرت عیسیٰ کے جسم میں آئے تو اب روح اور جسم دونوں متحد کیسے ہو سکتے ہیں؟ روح تو بدن کو قائم رکھتی ہے، مقوم بدن ہے، اس لیے تقویم کا عقیدہ ہونا چاہیے نہ کہ توحید و اتحاد کا۔

عیسائیوں کا نمونہ:

آج بھی بہت ساری جگہوں پر اولیا و مشائخ کی اولاد نے اپنے اولیا و مشائخ کو بالذات ”مطاع و مخدوم“ مانا ہے، جو عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ کو خدا ماننے کی طرح ہے، ان ظالموں کے لیے قرآن کہتا ہے: ”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“۔ (سورہ شعراء: ۲۲۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی، عیسائیوں کا عقیدہ:

تمام عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے سولی دے دی۔ حالاں کہ یہ عقیدہ بالکل حقیقت کے خلاف ہے، عیسائیوں اور یہودیوں دونوں پر حقیقت حال مخفی رہی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے بدل دیا، اور حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ لوگوں کے سامنے حضرت عیسیٰ کی شکل میں بدلا ہوا شخص جب آیا تو یہودی عیسائی دونوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھا اور سولی دے کر مار ڈالا۔ پھر عیسیٰ کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ مقتول ہو کر حضرت عیسیٰ

آسمان پر اٹھائے گئے، یہی عقیدہ آگے دوسروں تک بھی منتقل ہوتا رہا۔ آیاتِ جدل میں اللہ تعالیٰ اسی طرح کے عقائد سے پردہ اٹھایا ہے چنانچہ اس عقیدے کی تردید کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے: "وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" (نساء: ۱۵۷) حالاں کہ انہوں نے، نہ ان کو قتل کیا، نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا۔

اعتراف: عیسائیوں کا کہنا ہے کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول باضابطہ مذکور ہے کہ فاسق و ظالم یہودی مجھے قتل کریں گے تو اس سے پہلے چلا کہ عیسیٰ قتل کیے گئے ہیں۔
جواب: اگر انجیل میں واقعی یہ قول موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود ظالم قتل کی جرات کریں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی حفاظت فرمائیں گے۔

اس پر بھی کوئی کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے قتل کی خبر دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر معاملہ مشتبہ ہو گیا تھا، ان کو معلوم نہیں تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زندہ آسمان پر اٹھالے۔

فارقلیط (محمدؐ) کی بشارت میں تحریف:

فارقلیط کو انگریزی رسم الخط میں Peroclitus (پروکلیٹس) لکھتے ہیں، یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی آتے ہیں "ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کی ہر شخص سے زیادہ تعریف کرے" تو اس فارقلیط کا مترادف لفظ عربی میں "احمد" اسم تفضیل کے ساتھ ہوگا۔ انجیل میں صراحت کے ساتھ مذکور تھا کہ فارقلیط آئیں گے تمہارے درمیان ایک عرصے تک ان کا قیام ہوگا، علم سکھائیں گے، لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کریں گے۔ فارقلیط کی یہ صراحت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ قرآن کریم نے اسے بیان کیا ہے۔

تحریف:

لیکن عیسائیوں نے انجیل کے اس بیان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وابستہ کر دیا، اور فارقلیط سے خود حضرت عیسیٰ کو مراد لے لیا، یہی عیسائیوں کی تحریف، اور حضرت عیسیٰ پر انجیل کا بیان صادق بھی نہیں آتا، کیوں کہ روح عیسیٰ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق زیادہ دن ان کے درمیان نہیں ٹھہری تھی اور انجیل میں ہے کہ وہ ایک عرصے تک تم میں ٹھہریں گے، تعلیم و تربیت کریں گے، نفوس کا تزکیہ فرمائیں گے، یہ سب باتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آرہی ہیں کیوں کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳ سال تک دنیا میں رہے۔ اور تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفوس فرماتے رہے۔

۳۔ علم اللہ کیر بالاء اللہ:

علوم خمسہ میں تیسرا علم ”علم اللہ کیر بالاء اللہ“ ہے۔

”علم الاحکام“ اور ”علم الحجول“ کے بعد اب اسی کا بیان آئے گا۔

علم اللہ کیر بالاء اللہ:

لغوی معنی: اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کرنے کا علم ”علم

اللہ کیر بالاء اللہ“ کہلاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: علم اللہ کیر بالاء اللہ ایسا علم ہے جس میں آسمان و زمین کی

تخلیق، بندوں کی ضروریات کی تلقین، اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے ذریعے بندوں کو نصیحت کی جاتی ہے۔

قدرے تفصیل:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ”نفوس بشریہ“ کی اصلاح کے لیے نازل کیا ہے، جس میں عربی، عجمی، شہری، دیہاتی ہر ایک کی اصلاح مقصود ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے پیش نظر یہ چاہا کہ وہ آیتیں جو تذکیر بآلاء اللہ“ سے متعلق ہیں ان میں ایسا اسلوب اختیار کیا جائے جو ہر طبقے کے لیے مناسب ہو اور ہر طرح کا ذہن رکھنے والے سمجھ سکیں، اس اسلوب کی آیات میں زیادہ بحث و تحقیق کی ضرورت نہ پڑے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء و صفات کو عام فہم اور آسان اسلوب میں بیان کیا ہے، اور متوسط درجے کی ذہانت کا خیال رکھا ہے تاکہ اکثر بندگانِ خدا کے سمجھ میں آجائے اور فلسفہ الہیہ اور علم کلام کی چنداں ضرورت نہ پڑے۔

ذات و صفات باری کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو قرآن کریم میں اجمالی طور پر ثابت کیا ہے، کیوں کہ اللہ کی ذات انسان کی فطرت میں رچی بسی ہے، کوئی بھی انسان ذرا بھی غور کرے تو خدا کو پہچان لے گا، انکار نہیں کرے گا۔

رہی بات صفات کی، تو اللہ تعالیٰ نے چند ”صفات بشریہ کاملہ“ کو منتخب کیا جن کی تعریف آپس میں انسان بھی کرتے رہتے ہیں پھر انہیں ”صفات بشریہ کاملہ“ کو اپنی صفات کو سمجھانے کے لیے، اپنی صفات کے لیے استعمال کیا، تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو کچھ سمجھ جائے، ورنہ صفات باری تعالیٰ کو ”تحقیق و امعان“ کے طریقے پر سمجھنا انتہائی مشکل ہے بل کہ محال ہے، اور بندوں کو خدا کی ربوبیت کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لیے انسانی صفات کاملہ کو لے کر خدا نے بندوں کو اپنی صفات کے قریب کیا ہے، ورنہ اللہ کی

ذات و صفات کی طرح دنیا کی کوئی بھی شئی نہیں ہے، قرآن میں اعلان ہے ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ اسی لیے انسانی صفات کو خدا کے لیے ثابت کرنا باطل عقیدہ اور گناہ ہے، کوئی انسان کی طرح خدا کو بھی صاحب اولاد مانے تو یہ بالکل باطل ہے۔

صفات باری تو قیفی ہیں:

تمام صفات باری تعالیٰ تو قیفی ہیں، یعنی جن صفات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے استعمال فرمایا ہے، اور قرآن و حدیث میں انہیں واقف کرادیا گیا ہے، ان کو بعینہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، امام ترمذی، سفیان ثوری، مالک بن انس اور ابن عیینہ کا یہی قول ہے، دوسرے الفاظ جو صفات باری کو بتلاتے ہیں ان کو خدا کے لیے استعمال نہ کرے جب تک کہ ان کا استعمال خود قرآن و حدیث میں کہیں دیکھ نہ لے۔

نعمت خداوندی اور قدرت الہی سے متعلق آیات:

قرآن کریم کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نعمتوں اور واقعات قدرت کو بیان کیا ہے، لیکن انہیں واقعات و نعمتوں کو بیان کیا ہے جنہیں شہری، دیہاتی، عربی، عجمی اور متوسط ذہن رکھنے والے تمام لوگ سمجھ سکیں، ان نعمتوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے جنہیں صرف علماء و اولیائے کرام ہی سمجھ پائیں، اور نہ ہی صرف بادشاہوں تک محدود و مخصوص نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔

مثالیں: اللہ تعالیٰ نے ”تذکیر بالاء اللہ“ سے متعلق آیات میں بے شمار مقامات

پر آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر کیا ہے، آسمان و زمین ہر جگہ موجود ہیں، ہر عام خاص سمجھ سکتا ہے کہ آسمان کو بغیر ستون کے پیدا کرنا کتنی بڑی قدرت ہے، آسمان میں اب تک کوئی پھشن یا شگاف نہیں، زمین پر چلنا، پھرنا، زراعت و کاشت کاری پھر زمین کے اندر بے شمار

خزانے دو فیئے ان سے ہر خاص و عام خدا کی قدرت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

بادل (۱) سے بارش برساتا، زمین سے چشمتے بہاتا، پھل فروٹ غلہ جات اور پھول پھلواریاں پیدا کرنا، صنعت و حرفت کے طریقے دلوں میں ڈالتا اور پھر اسی کے مطابق عمل کر کے دکھاتا: یہ سب مثالیں خدا کی قدرت و نعمت کی ایسی ہیں جنہیں ہر عالم و جاہل جان سکتا ہے۔ (۱)

(۱) قرآن کریم میں ہے: "ءَاتٰمُ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ" (واقفہ: ۵۶/۵۷) کیا تم نے بادل سے پانی اتار دیا ہم اتارنے والے ہیں۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بارش بادل سے ہوتی ہے۔ دوسری آیت میں ہے "هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَّاحَ بُشْرًا بَیِّنَ یَدَیْ رَحْمَۃٍ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً طَهُوْرًا" (الفرقان: ۴۸/۴۹) اور خدا وہی ہے جس نے ہوا کو بھیجا خوش خبری کے لیے اپنی رحمت سے پہلے، اور آسمان سے پاک پانی اتارا۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرت سے بارش آسمان سے بھی ہوتی ہے، بادل سے بھی ہوتی ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بارش کی اصل مان سون ہے تو خدا کی قدرت سے یہ بھی ایک سبب بارش کے لیے ہو سکتا ہے۔ اسی لیے مولانا اشرف علی تھالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ "ہاں تقریباً الی اللہ کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ جیسے آج تک یہ مانا جاتا تھا کہ بارش کا مادہ زمین کے بخارات ہیں، جو جو کی سردی سے ٹھہر ہو کر فیک پڑتے ہیں، لیکن اب مانا جانے لگا کہ زمین کے بخارات نہیں بل کہ سمندر کے بخارات ہیں جو خاص وقت میں پیدا ہو کر اطراف عالم میں پھیلتے اور پانی بنتے ہیں جن کو مانسون کہتے ہیں تو بعد قطع و سائے یہ کہنا بجا ہے کہ بارش کا منبع سمندر ہے، تو تو بتائیے! سمندر سے بادلوں میں کون سا مائل لگا ہوا ہے، اور کون سی مشین اتنا پانی کھینچتی ہے، اور وہ کون سی مشین کسی سیاح اور جغرافیہ داں نے یا کسی ہوا باز نے بھی نہیں دیکھی ہے، موائے اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ قدرت خدا سے ایسا ہوا۔ (ملفوظات: ۲۸، ۲۷ ص ۲۲۳ تا ۲۲۵ بحوالہ الاعتقادات المفیدۃ - از حکیم فخر الاسلام آبادی)

علم التذکیر بایام اللہ:

”علوم خمسہ“ جو قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں ان میں سے چوتھا علم ”علم التذکیر بایام اللہ“ ہے۔

لغوی تعریف: اللہ کے ایام (اور ایام میں واقع ہونے والے حادثات و واقعات) کے ذریعے بندوں کو نصیحت کرنے کا علم ”علم التذکیر بایام اللہ“ کہلاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: ”علم التذکیر بایام اللہ“ ایسا علم ہے جس میں ان واقعات و حادثات کے ذریعے بندوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اطاعت گزار بندوں کو انعام دینے اور نافرمان بندوں کو سزا دینے کے متعلق اللہ تعالیٰ وجود میں لاتے ہیں۔

قدرے تفصیل:

اللہ تعالیٰ نے ”علم التذکیر بایام اللہ“ سے متعلق آیات میں ان واقعات و حادثات کا ذکر کیا ہے جو اہل مکہ اور عربوں میں کافی مشہور اور منقول چلے آرہے تھے، معذب قوموں میں قوم عاد و قوم ثمود وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے، اس لیے کہ ان کے قصے باشندگان مکہ و اطراف میں بہت مشہور تھے۔

انعام یافتہ لوگوں میں بنی اسرائیل کے نبیوں کا ذکر فرمایا ہے، حضرت ابرہیم، حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام وغیرہ انبیائے کرام کے قصے بیان فرمائے ہیں کیوں کہ عرب ان کے حالات و اقوال سے یہودیوں کے ساتھ بود و ماند کی وجہ سے مانوس تھے، ان قصوں کا ذکر نہیں کیا جن سے اُنفس بالکل نہیں تھا، جیسے فارس کی جنگیں، رستم، اسکندر اور دارا کے واقعات، ہندوستان کی لڑائی، مہابھارت کے حالات وغیرہ۔

قرآنی قصوں کا مقصد:

اللہ تعالیٰ نے تمام مانوس و مشہور قصوں میں سے صرف ان اجزا کو لے لیا ہے جو پسند و نصیحت کے لیے اہم کردار ادا کرنے والے اور دلوں کو مالکِ حقیقی کو ماننے کی طرف موڑنے والے تھے۔

پورے قصے کو از اول تا آخر اس کی تمام چھوٹی بڑی تفصیلات و خصوصیات کے ساتھ نہیں بیان کیا کیوں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ انوکھے اور حیرت انگیز قصوں کو جب سنتے ہیں تو اس کی تمام جزوی تفصیلات کے جاننے کی خواہش کرتے ہیں، اور پوری طرح اصل قصے ہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور قصے کا جو مقصود ہے وہ فوت ہو جاتا ہے، اور قصے کا مقصود ”نصیحت حاصل کرنا“ ہوتا ہے۔

بعض عارفین کا قول:

اسی لیے بعض عارفین فرماتے ہیں کہ (۱) لوگوں نے جب ”تواریخ تجوید“ کو ان کی تمام جزوی تفصیلات اور اقوال و اعتراضات کے ساتھ یاد کرنا شروع کر دیا تو تلاوت کا خشوع اور گریہ و زاری کھو بیٹھے۔ (۲) اسی طرح مفسرین نے جب قرآن کی تفسیر میں لمبی چوڑی تقریروں، طویل کلام اور اصل تفسیر سے ہٹی ہوئی دوراز کار بحثوں کو چھیڑنا شروع کر دیا تو اصل علم تفسیر معدوم ہو گیا اور پتہ نہیں چلا کہ کس آیت کی، کیا تفسیر ہوئی؟ حسب ذیل قصے قرآن میں مکرر آئے ہیں:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا قصہ:

آپ کو مٹی سے بنایا، فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا، تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، ابلیس کو بھی سجدہ آدم کا حکم ہوا، لیکن اس نے غرور میں آکر آدم کا سجدہ نہ کیا، جس کے سبب مردود

و معتوب ہوا، پھر خدا سے لمبی عمر کی دعا مانگی اور اولادِ آدم کو قیامت تک گمراہ کرنے کا عزم ظاہر کیا، اس قصے کے مختلف اجزاء کو اللہ تعالیٰ نے حسب مقام اور حسب تقاضا مختلف اسلوب و انداز میں، چند نصائح کے لیے قرآن میں مکرر ذکر فرمایا ہے۔

(۲) حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے قصے:

ان کا قوم سے مباحثہ ہوا، نبیوں نے اللہ کی توحید کی دعوت دی، منہم پرستی اور بت گری سے روکا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا، قوم پھر بھی اڑی رہی، ضد میں ایمان نہ لائی، طرح طرح کے کمزور قسم کے شبہات نکالے، انبیاء نے ان کے جوابات دیئے، اس پر بھی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان قبول نہ کیا، تو پکڑ آئی خدا کی پکڑ، قوم گرفتار عذاب ہوئی، اللہ نے اپنے بندوں کی مدد فرمائی، انبیاء کی نصرت فرمائی اور متبعین کو انعامات سے نوازا۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی قرآن میں بار بار آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے از ابتدا تا انتہا قصہ نہیں بیان کیا ہے، بل کہ قصے کے مؤثر اجزاء کو لے کر مختلف جگہوں پر مختلف مقاصد سے البیلے اور تادرا انداز میں بیان فرمایا ہے۔

کہیں موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے وزیروں کے ساتھ مجاہد ہیں کہیں، بنی اسرائیل کے نادانوں کو سمجھا رہے ہیں، تو کہیں ان ناعاقبت اندیشوں کو عقابِ خداوندی سے ڈرا رہے ہیں۔ اسی طرح کہیں صاف نصرتِ الہی کی جلوہ سامانی دکھائی دے رہی ہے، تو کہیں حضرت موسیٰ اپنے رب سے محو مناجات ہیں۔

(۴) داؤد و سلیمان کے قصے:

قرآن کریم میں کئی جگہ پر حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے قصے آئے ہیں: کہیں ان حضرات کی خلافت کا قصہ مذکور ہے، کہیں ان کے مقدمات فیصل کرنے کا واقعہ، اسی طرح کہیں لوہے کا نرم پڑنا، زرہ بنانا، تاجے کا چشمہ، سلیمان کے لیے جنات، ہوا کا مسخر ہونا وغیرہ۔

(۵) ایوب دینس کے قصے:

بار بار کئی مقامات پر قرآن میں آپ حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہما السلام کا ذکر بھی پڑھیں گے، ایوب علیہ السلام کی آزمائش، ان کا صبر، ان کی اہلیہ کی خدمت، قسم نہ توڑنے کا طریقہ، ٹھنڈے پانی میں غسل، بیماری سے نجات، کتبہ اور مثل کتبہ کا ملنا، شکر گزاری۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قوم سے مخوف ہونا، انکار قوم، ہستی سے ہجرت، کشتی میں سفر، قرعہ اندازی میں شرکت، نتیجتاً شکم مای میں، پھر مچھلی کے پیٹ سے باہر خالی میدان میں، پھر صحت و عافیت کے ساتھ قوم میں باعزت واپسی اور اپنے فریضہ تبلیغ میں مکمل کامیابی۔

(۶) زکریا علیہ السلام کا قصہ:

حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ بھی قرآن میں بار بار آیا ہے، حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل فروٹ کی بہتات دیکھنا، پھر خدا سے دعا کرنا، خدا کا دعا قبول کرنا وغیرہ۔

(۷) عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی بن کر آئے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے، قیامت کے قریب دجال کو قتل

کرنے کے لیے آسمان سے اتریں گے اور ۴۰ سال دنیا میں رہ کر، ازدواجی زندگی گزار کر، اولاد والے بن کر وفات پائیں گے، مدینہ میں روضہ اقدس میں دفن ہوں گے اور میدان محشر میں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو بکر و عمرؓ کی ہمراہی میں محشر کے میدان میں تشریف لائیں گے۔ آپ کا قصہ بھی قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے، آپ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی، گہوارے ہی میں آپ نے گفتگو کی، آپ کے ہاتھ پر قسم قسم کے خوارق ظاہر ہوئے۔ آپ کے قصے اجمال و تفصیل کے ساتھ سورتوں کے مختلف اسلوب پر قرآن کریم میں مکرر مذکور ہوئے ہیں۔

صرف ایک یا دو بار آنے والے قصے:

وہ قرآنی قصے جو قرآن کریم میں صرف ایک بار یا دو بار آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ، آپ کو شرف نبوت سے نوازا جانا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے توحید کے عنوان پر بات کی، قرآن کریم میں صرف ایک جگہ ہے۔

اسی طرح پرندوں کے زندہ کرنے کا مشاہدہ کرنا۔

اسی طرح اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کی حققت و امانت، اور سیاست و ذکاوت کا قصہ۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، آپ کا دریائے نیل میں ڈالا جانا، قبطی کو قتل

کرنا، مدین جانا، وہاں شادی کرنا، آگ کو درخت پر دیکھنا، اور وہیں کلام

خداوندی کو ہر سمت سے سننا۔

- (۵) حضرت موسیٰ و حضرت کی ملاقات۔
- (۶) طالوت و جالوت کا قصہ بھی قرآن میں ایک ہی بار ہے۔
- (۷) ملکہ سبا بلقیس کا قصہ۔
- (۸) ذوالقرنین کا واقعہ۔
- (۹) اصحاب کہف کا قصہ۔
- (۱۰) دوا آدمیوں کا قصہ جو آپس میں بات کر رہے ہیں، ایک آخرت کا منکر ہے۔
- (۱۱) باغ والوں کا قصہ۔
- (۱۲) تین پیغمبروں کا قصہ جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا۔
- (۱۳) اس مومن کا قصہ جس کو کافروں نے شہید کر دیا۔
- (۱۴) اصحاب نمل کا قصہ۔
- (۱۵) اصحاب الاخدود کا قصہ۔
- خلاصہ: قرآن کریم کے ان تمام قصوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آدمی ان قصوں کو جان لے اور بس۔ بل کہ ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ
- ☆ قارئین شرک و کفر سے بیزار ہوں۔
- ☆ معاصی سے توبہ کریں۔
- ☆ اللہ کے عقاب سے ڈریں۔
- ☆ خدا کی نصرت پر یقین رکھیں۔
- ☆ مخلص بندوں کے حق میں انعامات خداوندی کے ظہور پر اطمینان و یقین رکھنا۔

علم الازد کیر بالموت و بعد الموت

”علوم خمسہ“ میں سے پانچواں علم ”علم الازد کیر بالموت و بعد الموت“ ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

لغوی تعریف: موت اور موت کے بعد کے حالات بیان کرنے کے ذریعہ نصیحت کرنے کا علم۔

اصطلاحی تعریف: ”علم الازد کیر بالموت و بعد الموت“ ایسے علم کا نام ہے جس میں مرنے کے حالات اور مرنے کے بعد پیش آنے والے حالات کے بیان سے خدا کے بندوں کو نصیحت کر کے توحید رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت پیش کی جاتی ہے۔
کچھ تفصیلی بات:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی بے شمار آیتوں میں ”علم الازد کیر بالموت و ما بعدہ“ کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ انسان کی کیفیت موت کے وقت دگرگوں ہو جاتی ہے، اپنے ہر کام سے انسان بالکل بے بس دکھائی دیتا ہے۔ موت واقع ہونے کے بعد جنت و جہنم کا منظر سامنے لایا جاتا ہے، عذاب کے فرشتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان سب کا ذکر قرآنی آیات میں ملتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں علامت قیامت کا ظہور بھی ہوگا جس سے تذکیر مقصود ہوتی ہے۔

قیامت کی علامتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت آسمان سے نزول ہے، دجال بھی نکلے گا جس کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے، دابۃ الارض کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا خروج، بے ہوشی کا صور پھونکنا، میدان محشر میں جمع ہونے کے لیے قبروں سے نکلنا، سوال و جواب، میزان عمل، اعمال ناموں کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں ملنا، اہل ایمان کا

جنت میں داخلہ، کافر و منافق کا دوزخ میں جانا، پھر اہل دوزخ کا آپس میں دوزخ میں
مخاصمہ و مباحثہ، ایک دوسرے کو لعن طعن، ان تمام باتوں سے متعلق آیتوں میں ”علم الذکیر
بالموت و بعد الموت“ کا بیان ہوتا ہے۔

اسی طرح اہل ایمان کو بالخصوص دیدار خداوندی سے شرف یاب ہونا، طرح
طرح کی جنت کی نعمتیں پانا، حور و قصور سے لطف اندوزی، دودھ و شہد کی نہروں سے
فیض یابی، نرم و نازک، موٹے اور باریک ریشمی لباس میں ملبوس جنت کی عورتوں سے
لذت اندوزی اور فرحت بخش جنتی محفل، اور انواع و اقسام کے لذیذ ترین سوکھے اور تیلے
میوؤں کا بے بدل مزہ!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مرحمت فرمائے آمین۔ جن آیات میں اس کے تذکرے ہوں
وہ آیات ”علم الذکیر بالموت و بعد الموت“ پر مشتمل کہلاتی ہیں۔

دوسرا باب:

نظم قرآنی کا بیان

اس باب میں نظم قرآنی یعنی قرآن کی عبارت سے سمجھے جانے والے معانی کا بیان آئے گا، اور وہ اس حیثیت سے ہوگا کہ معانی قرآن عصر حاضر کے لوگوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے کیوں سمجھ میں نہیں آتے؟ اور کیسے سمجھ میں آئیں گے؟ جس کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اس باب میں دو باتیں بیان ہوں گی:

(۱) معنی قرآن کے اسباب پوشیدگی۔ (۲) ازالہ پوشیدگی۔

اسباب پوشیدگی:

معانی قرآن کے پوشیدہ رہ جانے اور عصر حاضر کے لوگوں کو سمجھ میں نہ آنے کے اسباب بنیادی طور پر پانچ ہیں:

- (۱) الفاظ غریبہ کا قرآن میں استعمال
 - (۲) تاسخ و منسوخ آیات کی عدم اطلاع
 - (۳) شان نزول کی عدم واقفیت
 - (۴) حذف مضاف و موصوف، ابدال، انتشار ضائر، اختصار، ایجاز اور تکرار وغیرہ
 - (۵) تعریض، مجاز، کنایہ اور تشابہ اور محکم کا استعمال
- ان پانچوں اسباب خفا کو ہم پانچ فصلوں میں بیان کریں گے۔

(ان شاء اللہ)

پہلی فصل	:	شرح غریب القرآن کے بیان میں
دوسری فصل	:	ناسخ و منسوخ کے بیان میں
تیسری فصل	:	شان نزول کے بیان میں
چوتھی فصل	:	حذف، ایجاز و اطناب، ابدال و تکرار وغیرہ کے بیان میں
پانچویں فصل	:	کنایہ اور مجاز عقلی وغیرہ کے بیان میں (۱)

(۱) یہاں یہ بات جان لینا از حد ضروری ہے کہ یہ قرآن کریم جو خالص عربی زبان میں اترا ہے اسے عربوں نے اپنے فطری عربی ذوق و سلیقے کی بنیاد پر کما حقہ سمجھ لیا تھا۔ اور خداوند قدوس کا نشانہ بھی یہ تھا کہ لوگ قرآنی نشانہات، خداوندی صفات، ایہام قرآنی، اور تفصیلی قصوں کی کھوج میں نہ پھنس کر توحید و رسالت اور آخرت کے متعلق آیتوں کو اچھی طرح سمجھیں اور ان پر ایمان لائیں، اسی لیے صحابہ نقلاً عنہ خداوندی کے بہ موجب نشانہات وغیرہ آیات سے متعلق نئی آخرازاں صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار بھی نہ کرتے تھے۔ لیکن جب صحابہ کرام کا یہ طبقہ دنیا سے رخصت ہوا تو تابعین اور اتباع تابعین نے فہم قرآنی اور تفسیر قرآنی کا علمی و علمی بیخود اٹھایا جس میں ارشاد نبوی: ”تَخِيزُ الْفُسْرُونَ قُرْآنِي ثُمَّ الْبِدِينُ يَلْوُنَهُمْ ثُمَّ الْاَلْدِينُ يَلْوُنَهُمْ“ کے مطابق وہ کامیاب بھی رہے، البتہ یہ بات یقین کی حد تک صحیح رہی کہ اب غم کا دھل ہوا اور بلا واسطہ عربی زبان سمجھنا مشکل ہو گیا، نفرت، نحو اور صرف کی فہم معافی میں شدت سے ضرورت محسوس ہوئی، لوگوں کے پاس اس سلسلہ میں آمدورفت بڑھی سوال و جواب کا سلسلہ قائم ہوا ان مضامین پر کتابیں لکھی گئیں، اور قرآن کی مراد کو کھولنے میں جن اسباب کی ضرورت پڑی ان کا احاطہ کیا گیا، جسوعبت کے اسباب پر نگاہ ڈالی گئی تو علماء کرام نے بہت سارے اسباب بخلائے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴ھ، ۱۷۷۶ء) نے اپنی اصطلاحی میں لکھی ہوئی اصول تفسیر کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں اس کے دس اسباب بتائے جنہیں اختصار کر کے متن میں ہم نے اُسی طرح ۵ فصلوں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ (انزواء: مستفاد الفوز الکبیر: ص ۲۸)

پہلی فصل:

شرح غریب القرآن کے بیان میں

غریب القرآن:

لغوی معنی: قرآن کریم میں کم استعمال ہونے والے نادر الفاظ غریب القرآن کہلاتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: قرآن کریم میں عربی کے وہ قلیل الاستعمال نادر و انوکھے الفاظ غریب القرآن کہلاتے ہیں جن کی تفسیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور صحیح سندوں سے ہم تک پہنچی۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے غریب القرآن کی معرفت حاصل نہ کی ہو اس کے لیے کتاب اللہ پر اقدام کرنا حلال نہیں۔ حافظ بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ”اعربوا القرآن والتمسوا غرائبہ“ اس موضوع پر ابو عبیدہؓ، ابو عمروؓ والزاہدؓ اور ابن دریدؓ کی مستقل کتابیں ہیں۔

شرح غریب القرآن میں معتبر سندیں

علامہ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) نے اپنی تفسیر کا ایک مقدمہ لکھا جو بڑا قیمتی اور معلومات افزا تھا، اسی مقدمے کو علامہ سیوطیؒ نے افادۂ عام و خاص کے لیے علیحدہ چھاپ دیا اور اس کا نام رکھا ”الاتقان فی علوم القرآن“۔

اسی کتاب ”اتقان فی علوم القرآن“ میں علامہ سیوطیؒ نے ۳۲ سندیں ذکر کی ہیں۔ یہ تینوں سندیں غریب القرآن کی شرح میں سب سے اونچا مقام رکھتی ہیں۔

پہلی سند: عن ابی طلحة سالم بن المخارق الهاشمی عن عبد اللہ بن عباس۔
غریب القرآن کی شرح میں یہ سب سے ”اعلیٰ“ اور ”احسن“ سند ہے۔

محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ جو عام و خاص میں امام بخاریؒ (۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ) کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری میں اکثر و بیشتر اسی سند کو غریب القرآن کی شرح میں استعمال کیا ہے۔

دوسری سند: عن ضحاک (۱۰۵ھ) بن مزاحم الہلالی البلخی عن عبد اللہ بن عباس۔

تیسری سند: عن نافع بن الأزرق عن ابن عباس۔
یہ تینوں سندیں معتبر ہیں پہلا درجہ پہلی سند کا ہے، دوسرا درجہ دوسری سند کا، اور تیسرا درجہ تیسری سند کا۔

دوسری دو سندیں اور ہیں جن کا نمبر چوتھا اور پانچواں ہے۔
چوتھی سند: امام بخاریؒ نے ”قنادہ“ مجاہدؒ اور حسن بصریؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سے جو شرح غریب القرآن کی نقل کی وہ بھی معتبر ہے۔

پانچویں سند: دیگر ائمہ تفسیر نے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے جو کچھ بھی شرح غریب القرآن کے متعلق نقل کیا ہے، اس کا پانچواں درجہ ہے۔

خلاصہ: شرح غریب القرآن کے متعلق بالترتیب کل پانچ سندیں معتبر ہیں:

- (۱) عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس
- (۲) عن ضحاک عن ابن عباس
- (۳) عن نافع بن الأزرق عن عباس
- (۴) عن البخاری عن قتادہ أو مجاهد أو الحسن البصری
- (۵) الأئمة الآخرون عن الصحابة والتابعین

ایک غلطی کا ازالہ:

منطقی اصطلاح کے مطابق لفظی اپنے معنی پر تین طرح کی دلائیں ہوتی ہیں:

(۱) مطابقی (۲) تضمنی (۳) التزامی

قدیم مفسرین کبھی کبھی التزامی معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں جو بالکل برحق ہوتی ہے۔

اب جدید مفسرین التزامی معنی نہ جاننے کی وجہ سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور قدیم مفسرین کی تفسیروں کی تعلیل کرنے لگتے ہیں۔ حالاں کہ غلطی ان جدید مفسرین کی ہوتی ہے کہ خود التزامی معنی سے واقف نہیں اور اس کو کسی لغت میں پاتے نہیں تو قدیم مفسرین کو ہی غلط کہنے لگتے ہیں۔ (شاہد دل اللہ محدث دہلوی)

دوسری فصل:

ناسخ و منسوخ کے بیان میں

علم تفسیر میں ”ناسخ و منسوخ“ کی بحث بڑی اہم اور محرکہ الآثار مانی جاتی ہے، یہودی تو نسخ مانتے ہی نہیں وہ کہتے ہیں کہ ”نسخ“ ایک عیب اور غلطی ہے، جو خدا کے احکام میں نہیں ہو سکتی، جس کو اصطلاح میں ”بداء“ کہا جاتا ہے یعنی پہلے ایک حکم دینا پھر غلطی ظاہر ہونے پر اس حکم کو واپس لینا ”بداء“ کہلاتا ہے۔

معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی بھی نسخ کو ایک عیب مانتے ہیں، اس لیے قرآن کریم میں عیب والی چیز کو واقع ہونا نہیں تسلیم کرتے۔ اسی طرح معتدین علمائے سلف اور متاخرین میں بھی نسخ کے سلسلے میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے یہ بحث اہم ہے۔
معتدین علمائے تفسیر کے یہاں ”نسخ“ کی تعریف الگ ہے اور متاخرین کے نزدیک الگ۔ ان کی الگ الگ تعریفات جان لینے سے یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا۔
معتدین کے نزدیک نسخ:

لغوی تعریف: نسخ کے لغوی معنی، ہٹانا، زائل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: معتدین کے نزدیک نسخ کی اصطلاحی تعریف وہی ہے جو لغوی تعریف ہے، یعنی کسی بھی کو ہٹانا، زائل کرنا اور اس کی جگہ پر دوسری چیز رکھ دینا۔ عربی میں مختصراً کہہ سکتے ہیں ”إِزَالَةُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ“۔

تخریج: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۳ھ تا ۱۱۷۶ھ) نے فرمایا ہے کہ ہمیں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ کی تمام بحثوں کو پڑھنے کے بعد یہی پتہ چلتا ہے کہ معتدین کے

نزدیک ”نسخ“ کی اصطلاحی تعریف کوئی الگ نہیں ہے، جو لغوی تعریف ہے وہی اصطلاحی تعریف بھی ہے۔ البتہ متاخرین نے نسخ کی لغوی و اصطلاحی تعریف میں فرق کیا ہے۔
مثالیں: متقدمین نے لغوی معنی ”ازالہ“ ہی کو اصطلاحی معنی میں استعمال کیا ہے اس کی نیچے
۷۷ مثالیں آرہی ہیں:

(۱) کسی شرعی عمل کی مدت ختم ہونے کو بیان کرنا نسخ ہے، کیوں کہ یہاں ”ازالہ“ پایا جاتا ہے۔

(۲) ”کلام“ کا فوراً سمجھ میں آنے والے معنی سے پھیرنا اور دیر میں سمجھ میں آنے والے معنی کو مراد لینا۔ متقدمین کے نزدیک یہ بھی نسخ ہے کہ یہاں ہٹانا اور ازالہ پایا جا رہا ہے۔

(۳) صفت موصوف میں صفت کی قید کو ”اتفاقی“ بتانا بھی نسخ ہے، مثلاً رقبۃ مومنة میں مومنة کو قید اتفاقی بتانا نسخ ہے، اس لیے کہ صفت احترام کے لیے لائی جاتی ہے، احترام سے ہٹا کر اتفاق کی طرف لانا نسخ ہے۔

(۴) عام کو خاص کرنا۔ متقدمین کے نزدیک یہ بھی نسخ ہے کیوں کہ عام کے معنی کو ہٹا دیا اور خاص کر کے معنی کم کر دیا۔

(۵) مقیس اور مقیس علیہ میں فرق بیان کرنا۔ یہ بھی نسخ ہے، کیوں کہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مناسبت ہوتی ہے، مناسبت کو ہٹا کر فرق بیان کرنا نسخ ہوگا۔

(۶) کسی جاہلی عادت کو ہٹا کر اسلامی عادت و حکم کو لانا، متقدمین کے نزدیک ”ازالہ“ کے مفہوم کی وجہ سے نسخ ہے۔

(۷) سابقہ شریعت و حکم کو بدل کر موجودہ شریعت و حکم کو لانا بھی نسخ ہے، کہ یہاں بھی ”ازالہ“ پایا جاتا ہے۔

متاخرین کے نزدیک نسخ

لغوی معنی: نسخ کے لغوی معنی وہی ہیں پہلے ذکر ہوئے یعنی ہٹانا، زائل کرنا، ازالہ شئی بشی۔

اصطلاحی معنی: نسخ کے اصطلاحی معنی ہیں: بَيَانُ اِنْتِهَاءِ حُكْمٍ شَرْعِيٍّ، بِطَرِيقٍ شَرْعِيٍّ، مُتَرَاخٍ عَنْهُ حَتَّى لَا يَجُوزُ اِمْتِنَالُهُ۔
شرعی طریقے پر کسی حکم شرعی کے ختم ہونے کو بیان کرنا ”نسخ اصطلاحی“ کہلاتا ہے اس طرح کہ اب پہلا حکم معمول نہیں ہوگا۔

متقدمین کے نزدیک منسوخ آیتوں کی تعداد:

مقدمین مفسرین کے نزدیک نسخ کے معنی میں نہایت وسعت ہے، اس لیے قرآن میں جہاں کہیں ازالہ یا ہٹانے کا مفہوم ہوگا اسے مقدمین منسوخ مانتیں گے، جہاں بھی عام کو خاص کیا جائے یا قید احترازی کے بجائے قید اتفاقی ہوگی، تو مقدمین اسے منسوخ ہی کہیں گے، اسی لیے مقدمین کے نزدیک ”منسوخ آیات کی تعداد“ بے شمار ہوگی۔

البتہ علمائے تفسیر نے تلاش واستقرا سے طے کیا ہے کہ مقدمین مفسرین کے یہاں آیات منسوخہ کی تعداد کل ۵۰۰ ہے۔

آیات منسوخہ کی تعداد متاخرین کے نزدیک

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۶۴۹ھ، ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ میں اس پر بحث کی ہے اور علامہ ابن العربیؒ کی رائے بتائی ہے کہ ان کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد صرف ۳۱ ہے۔ پھر بتلایا ہے کہ اصل ”آیت اسعیدان“ اور ”آیات تقسیم میراث“ میں منسوخ نہ ہونا ہے تو کل منسوخ آیات ۱۹ ہوئیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۱۱۱۴ھ، ۱۱۷۶ھ) نے اپنی اصولی تفسیر کی کتاب ”الفوز الکبیر فی اصول التفسیر“ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

وَعَلَى مَا حَوْرَدْنَا لَا يَتَعَيَّنُ النُّسْخُ إِلَّا فِي خَمْسِ آيَاتٍ (الفوز الکبیر، ص ۶۰)

ہماری تحریر کے مطابق متعین طریقے پر نسخ صرف پانچ آیات میں پایا جائے گا۔

قرآن کریم کی پانچ منسوخ آیتیں:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ، ۱۱۷۶ھ) کے نزدیک جو ۵ آیات منسوخ ہیں وہ ذیل میں اپنے نسخ کے ساتھ دی جا رہی ہیں:

پہلی منسوخ آیت: كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ أَنْ تَرَكَ خَيْرَ الْوَصِيَّةِ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ.

(البقرة: ۱۸۰)

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو جائے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو تو اس پر والدین اور اقرباء کے لیے وصیت بالمعروف کرنا فرض قرار دے دیا گیا ہے، یہ حکم متقیوں پر لازم ہے۔

یہ آیت اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب میراث کے احکام نہیں آئے تھے، اس میں ہر شخص کے ذمے یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے ترکے کے بارے میں وصیت کر کے جائے کہ اس کے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو کتنا کتنا مال تقسیم کیا جائے۔

ناسخ آیت: **يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي**... الخ۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام رشتہ داروں میں ترکے کی تقسیم کا ایک ضابطہ خود مقرر کر دیا، لہذا اب اس آیت نے اوپر والی آیت کو منسوخ کر دیا، اور اب کسی شخص پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا فرض نہیں۔

(۲) دوسری منسوخ آیت: سورہ ”انفال“ کی آیت نمبر: ۶۵ ہے۔ یہ اسی سورت کی آیت نمبر: ۶۶ سے منسوخ ہے۔

منسوخ آیت ہے: **”إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ، وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ“**۔
ترجمہ: اگر تم سے بیس آدمی استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیوں کہ یہ کافرا ایسے ہیں جو صحیح سمجھ نہیں رکھتے۔

تَارِخِ آیت: اَلَاۤ اِنَّ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَاَعْلَمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا، فَاِنْ یَّکُنْ مِنْکُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ. (الانفال: ۶۶)

ترجمہ: جب اللہ نے تمہارے لیے آسانی پیدا کر دی ہے اور اللہ کو علم ہے کہ اب تم میں کچھ کمزوری ہے، پس اب اگر تم میں سے سوا افراد استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت نے پہلی آیت کے حکم میں تخفیف کر کے اسے منسوخ کر دیا، اور دس گنا دشمن کے بجائے دو گنا کی حد مقرر کر دی کہ مسلمان ایک ہو اور کافر دو، تو مسلمان کے لیے اس حالت میں کافروں سے بھاگنا جائز نہیں۔

(۳) تیسری منسوخ آیت: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۳ھ-۱۱۷۶ھ)

کے نزدیک تیسری منسوخ آیت سورہ احزاب کی آیت نمبر: ۵۱ ہے، یہ آیت نمبر: ۵۰ سے (اسی سورت کی) منسوخ ہے۔

منسوخ آیت یہ ہے: لَا یَحِلُّ لَکَ النَّسَاءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ

مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُهُنَّ. (الاحزاب: ۵۱)

ترجمہ: (اے نبی!) آپ کے لیے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ ان (موجودہ ازواج) کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کریں خواہ آپ کو ان کا حسن پسند

آئے۔ (حسن پسند آئے.....)

اس آیت میں حضور کو مزید نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، بعد میں اجازت دے دی گئی اور منع کا حکم منسوخ کر دیا گیا، اس حکم کے لیے نسخ آیت اسی سورہ احزاب کی آیت نمبر ۵۰ ہے جو ترتیب میں مقدم ہے۔

نسخ آیت: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي أَتَيْتَ أُجُوزَهُنَّ... الخ (الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ ازواج حلال کر دی ہیں جنہیں آپ نے ان کا مہر دے دیا ہو... الخ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک یہ آیت اس پہلے والی آیت کو منسوخ کر رہی ہے۔ لیکن ابن جریر طبریؒ (.....) کی تفسیر مان لینے سے دونوں آیتیں ”معمول بھا“ رہتی ہیں، ان کی تفسیر سادہ اور آسان بھی ہے کہ پہلی آیت میں کچھ مخصوص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کے لیے حلال کی گئی ہیں اور اس کے بعد دوسری آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے علاوہ عورتیں حلال نہیں۔ اب ترمیم آیات بھی برقرار ہے، معنی بھی واضح ہے۔

(۴) چوتھی منسوخ آیت: ”سورہ مجادلہ“ کی آیت نمبر ۱۲ چوتھی آیت ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک منسوخ ہے۔

آیت یہ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَلِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ... الخ (المجادلہ: ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی کرنی ہو، تو سرگوشی سے پہلے صدقہ کر دیا کرو۔

تَارِحَ آيَةٍ: ءَ اشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيَّ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ، فَاِذْ لَمْ
تَفْعَلُوا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاقْبِمُوا الصَّلٰوةَ وَ آتُوا الزَّكٰوةَ وَ اطِيعُوا اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهُ. (المجادلة: ۱۳)

ترجمہ: کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرو پس جب
تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی تو (اب) نماز قائم رکھو، اور زکاۃ ادا
کرتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں اس طرح سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرنے کا حکم منسوخ
ہو گیا۔ اس منسوخ آیت پر، منسوخ ہونے سے پہلے صرف حضرت علیؓ کے عمل کیا، ایک
مرتبہ ان کو حضورؐ سے سرگوشی کی ضرورت تھی تو آپؐ نے صدقہ دیا اور سرگوشی کی۔

(۵) پانچویں منسوخ آیت: پانچویں آیت جو شاہ صاحبؒ کے نزدیک منسوخ
ہے، سورہ مزمل کی یہ آیت ہے: ”يٰۤاَيُّهَا الْمَزْمُوْلُ قُمْ اَيْلًا اِلَّا قَلِيْلًا، نِصْفَهُ اَوْ اَنْقِصْ
مِنْهُ قَلِيْلًا“۔ (مزمل: ۱)

اے مزمل (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) رات کو (تہجد میں) کھڑے رہیے،
مگر تھوڑا سا حصہ آدھی رات یا اس میں سے بھی کچھ کم کر دیجیے۔

اس آیت میں رات کے کم سے کم آدھے حصے میں تہجد پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا،
جسے اگلی آیت سے یعنی سورہ مزمل کی آیت ۲۰ سے منسوخ کر دیا گیا۔

منسوخ کر دینے والی آیت یہ ہے:

تَارِحَ: ”عَلِمَ اَنْ لَّنْ نَّخْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيَّكُمْ فَاَقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ
الْقُرْاٰنِ“۔ (مزمل: ۲۰)

حضرت شاہ صاحبؒ (۱۱۱۳ھ-۱۱۷۶ھ) کی تحقیق یہ ہے کہ تہجد کا حکم واجب قبلے بھی نہیں تھا، لیکن پہلے اس میں زیادہ تاکید بھی تھی اور اس کا وقت بھی زیادہ وسیع تھا، بعد میں تاکید بھی کم ہو گئی اور وقت کی اتنی پابندی بھی نہ رہی۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ اندلسیؒ (۴۶۸ھ، ۵۴۳ھ) کے نزدیک منسوخ آیات ۲۱ ہیں:

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ اندلسیؒ معافریؒ مالکی (۴۶۸ھ، ۵۴۳ھ) جو ”ابن عربی“ کے نام سے مشہور ہیں، اور ابن عربیؒ صوفی کے علاوہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں زیادہ سے زیادہ ۲۱ آیتیں منسوخ ہیں، اس سے زیادہ کا دعویٰ حق بجانب نہیں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ”الاتقان فی علوم القرآن“ میں اسی رائے کو نقل کیا ہے، ذیل میں ۲۱ منسوخ آیات اپنے نسخ کے ساتھ مختصر آدی جا رہی ہیں:

کیس منسوخ آیتیں:

(۱) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸ ”كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ“ (البقرہ: ۱۸)

سورہ نساء کی آیت ۱۱ سے ۱۲ تک میں میراث کا ذکر ہے اس کو ”آیت المواریث“ کہتے ہیں۔ یہ آیت یہ ہے: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ خَظِّ الْأُنثِيَيْنِ... الخ (النساء: ۱۱، ۱۲)۔ اسی آیت نے اوپر والی آیت کو منسوخ کر دیا۔

(۲) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۲ دوسرے نمبر کی منسوخ آیت ہے۔ آیت یہ ہے: ”وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ“ (البقرہ: ۱۸۲)

نسخ آیت یہ ہے: ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“ (البقرہ: ۱۸۵)

(۳) تیسری منسوخ آیت: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ (البقرہ: ۱۸۳)

تاریخ آیت: ”أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ“ (البقرہ: ۱۸۷)

(۴) چوتھی منسوخ آیت: ”يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ

قُلْ: قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفَرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ،

وإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ، وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ، وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ

يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ امْتُطِئُوا“ (البقرہ: ۲۱۷)

منسوخ کرنے والی آیت: ”إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا

فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ذَلِكَ الدِّينُ

الْقَيِّمُ، فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ، وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ

كَافَّةً، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ“ (التوبة: ۳۶)

(۵) پانچویں منسوخ آیت: ”وَ الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

وَصِيَّةً لَأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ، فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ، وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ“ (البقرہ: ۲۳۰)

تاریخ: ”وَ الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي

أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ“ (البقرہ: ۲۳۳)

(۶) چھٹی منسوخ آیت: ”وَ إِنْ تَبَدَّلَا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تَخَفُوا

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ“ (البقرہ: ۲۸۳)

تاریخ آیت: ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ (البقرہ: ۲۸۶)

(۷) ساتویں منسوخ آیت: ”اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ“ (آل عمران: ۱۰۳)

تاریخ: ”فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ (تھاب: ۱۶)

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم ہے، لیکن جتنا اللہ کا حق ہے اس کے بقدر ڈرنے کا حکم ہے، جو بندے کی قدرت سے باہر ہے۔ اسی لیے آیت کو منسوخ کر دیا گیا، منسوخ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری کہ ”اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے“۔

(۸) آٹھویں منسوخ آیت: ”وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ

نَصِيَّتَهُمْ“ (۱) (نساء: ۱۰۳)

تاریخ: ”وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ“ (انفال: ۷۵) (حزاب: ۶)

(۹) نویں منسوخ آیت: ”وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ، وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا“ (نساء: ۸)

تاریخ: ”يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَىٰ“

(نساء: ۱۱)

(۱۰) دسویں منسوخ آیت: ”وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ، فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ

يَتَوَقَّعْنَ الْمَوْتَ أَوْ يُجْعَلَ لَهُنَّ مَبْلَغٌ“ (نساء: ۱۵)

تاریخ: ”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ“ (النور: ۲۰)

((۱)) اس آیت میں مولیٰ الموالاة کو میراث میں سے حصہ دینے کا حکم ہے۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور آیت نازل ہوئی

”وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ“ رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں (میراث میں)۔

(١١) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَجْلُوْا سَعَاتِرَ
اللّٰهِ، وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا اٰمِنَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ
يَتَّخُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا“ (المائدة: ٣)

تأخ: ”قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً“ (توبه: ٣٦)

(١٢) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَجْلُوْا سَعَاتِرَ
عَنْهُمْ، وَلَا تَجْرُسْ عَنْهُمْ فَلَنْ يُّصْرُوْكَ شَيْئًا، وَلَا تَحْكُمْتُمْ فَاَحْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِالْقِسْطِ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ“ (المائدة: ٣٣)

تأخ: ”اِنْ اَحْكُمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ، وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ
اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُ اَنْمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنْ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُوْنَ“ (المائدة: ٣٩)

(١٣) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهِادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا
خَاصَرَ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اِثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ
غَيْرِكُمْ، اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحِبُّوْنَ لَهَا
مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ... الخ“ (المائدة: ١٠٦)

تأخ: ”فَاِذَا بَلَغْنَ اٰجُلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ قَارِقُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ، وَاشْهَدُوْا ذَوٰى عَدْلٍ مِّنْكُمْ... الخ“ (النساء: ٣)

(١٤) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى
الْقِتَالِ، اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتِيْنَ، وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِّائَةٌ
يَغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ“ (الأنفال: ٦٦)

نَارُخ: "الآن خُفِّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ، وَ عَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا، فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ، وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ، يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ" (الأنفال: ۶۶)

(۱۵) پھر ہویں منسوخ آیت: "انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" (سورة البراءة: ۴۱)

نَارُخ: "لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ... الخ" (التج: ۷)

"لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ... الخ" (التوبة: ۹۱)

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً... الخ" (التوبة: ۱۲۳)

(۱۶) سولہویں منسوخ آیت: "الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً، وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرْمٌ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ" (النور: ۳)

ناسخ: "وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ، إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ" (النور: ۳۳)

(۱۷) سترہویں منسوخ آیت: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ، وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ... الخ"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مذہب ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔

(۱۸) اٹھارہویں منسوخ آیت: "لَا يَجْعَلُ لَكَ الْنِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَ مِنْ أَزْوَاجٍ، وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ، وَكَانَ

اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا“ (الزاب: ٥٢)

تأخ: ”إِنَّا أَخْلَقْنَا لَكَ أَرْوَاجَكَ الْبَنَى... الخ“ (الزاب: ٥٠)

(١٩) انيسوي منسوخ آيت: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَاجَعْتُمْ الرَّسُولَ

فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ، ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ“ (مجادل: ١٢)

تأخ: ”ءَ أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ

تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَ

رَسُولَهُ، وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ“ (الجادل: ١٢)

(٢٠) انيسوي منسوخ آيت: ”وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَرْوَاجِكُمْ إِلَى

الْكُفَّارِ فَعَاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَرْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا، وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِينَ أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ“ (ممتد: ١١)

تأخ: ”قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً“ (الزب: ٢٦)

(٢١) انيسوي منسوخ آيت: ”قُلِ الْبَلْ إِلَّا قَلِيلًا، نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ

قَلِيلًا“ (زل: ٢٠)

تأخ: ”عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ

الْقُرْآنِ“ (الزل: ٢٠)

تیسری فصل:

شان نزول کے بیان میں

شان نزول کی بحث بھی تاریخ و منسوخ کی بحث کی طرح مفسرین و اصولیین کے نزدیک بڑی معرکہ الآراء اور اہم مانی جاتی ہے۔ شان نزول کے حوالے سے ایک مفسر کے لیے یہ بات از حد ضروری ہے کہ وہ آیات قرآنیہ میں اشارتاً آئے ہوئے ان قصوں کو ذرا تفصیل سے جانے جن سے فہم آیات آسان ہو جاتا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں آیات کا عموم ہوتا ہے، یہ قصوں کی معرفت ہی، قصوں کے حوالے سے، آیات کے خصوص کو بتلاتی ہے، شان نزول ہی سے کلام الہی کی ظاہری مراد کو اصلی مراد کی طرف جانا آتا ہے جسے فن توجیہ بھی کہا جاتا ہے۔

شان نزول کے فوائد

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن خود اتنا واضح ہے کہ اس کی وضاحت کے لیے شان نزول وغیرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن یہ خیال باطل ہے، علم تفسیر کے لیے شان نزول ایک لازمی شرط ہے، اس کے بے شمار فائدے ہیں۔ چند یہ ہیں:

(۱) علامہ ذرکشی "البرہان فی علوم القرآن" ص ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ شان نزول سے: (۱) احکام کی حکمتیں (۲) احکام کی علل اور (۳) احکام کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ مثال: قرآن کی آیت ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ" (اے ایمان والو! نماز کے پاس بھی نہ جاؤ جب کہ تم نشے کی حالت میں ہو)۔

شان نزول: ”حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کچھ صحابہؓ کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں کھانے کے بعد شراب پی گئی، اسی حالت میں نماز کا وقت آگیا تو ایک صحابی نے امامت کی اور انہوں نے نشے کی وجہ سے قرآنی آیات کی تلاوت میں غلطی کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔“

(علوم القرآن: ۷۴)

اب اگر یہ شان نزول والا واقعہ سامنے نہ ہو تو آیت کا مطلب صحیح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ آدمی خیال کرے گا کہ جب شراب بالکل حرام ہے تو یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور شان نزول والے واقعے کو ملانے سے آیت سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔

(۲) بسا اوقات شان نزول نہ معلوم ہو تو آیت کا بالکل غلط مطلب سمجھا جاسکتا ہے۔ مثال: ”وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ، فَآيِنَّمَا تُؤَلُّوْا فَتَمُّ وَجْهُ اللّٰهِ“ ترجمہ ہے کہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کی ہیں پس جدھر بھی رخ کر لو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے۔

(البقرہ: ۱۱۵)

شان نزول: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی بتائی ہوئی ہے اور اللہ ہر طرف موجود ہے، لہذا وہ جس طرف بھی رخ کرنے کا حکم دے دے ادھر رخ کرنا واجب ہے اس میں قیاسات کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (علوم القرآن: ص ۷۵)

اگر یہی شان نزول کا واقعہ پیش نظر نہ ہو تو نماز میں ہر طرف رخ کرنے کا جواز اس آیت سے ثابت ہوگا، جو قطعاً غلط ہے۔

متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات

نَزَلَتْ فِي كَذَا کے معنی:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کے کلام کی چھان بین سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ صحابہ و تابعین ”نزلت فی کذا“ جہاں اس واقع کے سلسلے میں استعمال کرتے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آیا اور آیت کا شان نزول تھا، وہیں دوسرے چند معانی کے لیے بھی نزالت فی کذا استعمال کرتے تھے۔

مثلاً: عہد نبوی یا اس کے بعد کے واقعے کو ذکر کرتے اور بتاتے کہ یہ آیت اس واقعہ کے بعض جزوی پہلوؤں پر صادق آتی ہے، واقعے کی تمام قیود و حدود بندیاں مراد نہیں ہیں، آیت کا اصل حکم واقعے کے بعض حصوں پر منطبق ہے۔

یا مثلاً: یہ حضرات کوئی واقعہ جو عہد نبوی میں پیش آیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سے اس کا حکم نکالا اور صحابہ کو پڑھ کر سنایا تو اس موقع پر بھی صحابہ و تابعین ”نزلت فی کذا“ استعمال کرتے۔

تکرار نزول:

کسی آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم مستنبط کیا، آپ کے دل میں اس طرح کا استنباط اور حکم کا آنا ایک طرح کی وحی ہے، اسی کو اگر کہا جائے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی ہے، (ایک مرتبہ آیت جبرئیل کے واسطے سے اور دوبارہ دل میں اس کے حکم کے آنے سے) تو ایسا کہنا صحیح ہے۔

شان نزول سے غیر متعلق روایات:

محدثین و مفسرین قرآن کریم کی آیات کے تحت بہت ساری ایسی باتیں ذکر کر جاتے ہیں جن کا تعلق شان نزول سے نہیں ہوا کرتا۔

مثلاً: صحابہ نے اپنے دور میں آپس میں کبھی کوئی بحث مباحثہ کیا اور اس دوران اپنی بات کو مستحکم کرنے کے لیے کوئی آیت استشہاد کے طور پر پڑھی، مفسرین اس کو بھی شان نزول کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں حالاں کہ اس کا تعلق شان نزول سے نہیں ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں کوئی آیت کسی مسئلے کے استشہاد میں پڑھی، یا کوئی حدیث اصل مقصود میں آیت کے موافق ہو، یا مقام نزول کی تعیین کر رہی ہو، یا آیت میں مبہم طور پر مذکور اسماء کی تعیین کر رہی ہو، یا الفاظ قرآنی کے تلفظ کا طریقہ بتلا رہی ہو، یا کسی سورت یا آیت کی فضیلت بتلا رہی ہو، یا کسی قرآنی حکم پر عمل کا نبوی طریقہ بتلا رہی ہو، یہ تمام چیزیں شان نزول سے تعلق نہیں رکھتیں۔

مفسر کے لیے دو شرطیں:

(۱) آیات میں آئے ہوئے قصوں کی قدرے تفصیل سے جانکاری مفسر کے لیے ضروری ہے، تاکہ آیات قرآنیہ میں آئے ہوئے اشاروں کو سمجھ سکے۔

(۲) ان قصوں کو بھی جاننا ضروری ہے جو عام کی تخصیص کرتے ہیں یا کلام کو ظاہری معنی سے پھیر کر صحیح توجیہ تک رہنمائی کرتے ہیں۔

اہل کتاب کی روایتوں میں انبیاء کے قصے:

یہ استقرائی اصول ہے کہ احادیث میں گزشتہ نبیوں کے قصے بہت تھوڑے منقول ہیں۔ جو بھی طویل اور تفصیلی قصے تفسیروں میں انبیائے سابقین کے بارے میں ہیں وہ

علمائے اہل کتاب سے مروی ہیں، کچھ تفصیلی قصے مستثنیٰ ہیں۔ اور اہل کتاب کے بارے میں صحیح بخاری میں یہ حدیث منقول ہے کہ ”لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ“ (بخاری: ص ۶۴۳ بحوالہ الفوز الکبیر حاشیہ) یعنی اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کرو نہ تکذیب۔ لہذا انبیوں کے تفصیلی واقعات کو اسی طرح مانا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ صحیح بھی ہوں تو سنتے ہی تکذیب نہ کر دی جائے، یا کلی طور پر مان بھی نہ لیا جائے۔

مفسرین کے تفسیری اقوال مختلف کیوں؟:

صحابہ و تابعین کی عادت رہی ہے کہ جاہلی رسم و رواج اور یہود و مشرکین کے عقائد و مذاہب سمجھانے کے لیے کچھ جزوی واقعات ذکر کرتے ہیں اور ایسے موقع پر نزالت فی کذا بولتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان واقعات اور ان جیسے یا ان کے قریب قریب واقعات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ مخصوص واقعات کا ذکر مقصود نہیں ہوتا، بل کہ امور کلی پر ان کی ذکر کردہ صورت صادق آتی ہے۔ اسی بنیاد پر مفسرین کے تفسیری اقوال مختلف ہوتے ہیں ہر مفسر اپنے اعتبار سے گفتگو پیش کرتا ہے، لیکن سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔

صحابی رسول کا فرمان:

مقصود قصہ نہیں ہوتا بل کہ امور کلیہ پر صورت مذکور کا صادق آنا ہوتا ہے، اسی نکتے کی طرف صحابی رسول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا ہے: ”لَا يَكُونُ الرَّجُلُ فَقِيهَا حَتَّى يَحْمَلَ الْآيَةَ الْوَاحِدَةَ عَلَىٰ مُحَامِلٍ مُتَعَدِّدَةٍ“ (ابن سعد) آدمی اس وقت تک فقیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک ہی آیت کا مختلف مصداق نہ بتا سکے۔

قصے کی شکل:

قرآن کریم مرادِ خداوندی کو سمجھانے کے لیے اکثر باتوں کو قصوں کی شکل میں پیش کرتا ہے، قرآن میں اکثر دو شکلیں مذکور ہوتی ہیں: نیک بخت کی شکل، بد بخت کی شکل: نیک بخت کی شکل میں نیک لوگوں کے اوصاف کی تشکیل اور منظر کشی ہوتی ہے اور بد بخت کی شکل میں بد بختوں کے اوصاف بد بختی بیان ہوتے ہیں۔

اس بیان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جن کے اندر نیک بختی کے اوصاف ہیں ان کا حکم نتیجتاً اچھا ہے اور برے اوصاف والوں کا حکم بُرا ہے کوئی متعین شخص مراد نہیں ہوتا۔

مثال: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا“ (۱) (الاحقاف: ۱۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے، کیوں کہ اس کے والدین خصوصاً والدہ نے اس کی پرورش میں بڑی جانفشانی و پریشانی جمیلی ہے۔ اس کے بعد بعض لوگ اس حکم کو مانتے ہیں، بعض نہیں، ان دونوں کو ”نیک بخت“ اور ”بد بخت“ کی شکل میں قرآن نے پیش کیا ہے۔

(۱) چند اور مثالیں: ”وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ: مَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: أَنَسْأَطِيرُ الْأَوَّلِينَ“ (النحل: ۲۳) ”وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا خَيْرٌ“ (النحل: ۳۰) ”وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا: قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً“ (النحل: ۱۱۲) ”هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا“ (الاعراف: ۱۸۹) ”قَدْ أَلَمَعَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ“ (المؤمنون: ۲۰۱) ”وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حُلَّابٍ مُّهِينٍ“ (القلم: ۱۰)

مثال: قصے کی صورت بتا کر بات پیش کرنے کی بے شمار مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں، ایک اور آیت یہ بھی ہے: ”تَكْمَلُ حَبَّةٌ اُتْبَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ“ (البقرہ: ۲۶۰)

اس آیت میں انسان کی نیکی کے اجر کو بڑھانے کی بات کو قصے کی صورت میں سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ شکل بیان کی ہے کہ ”جیسے ایک دانہ ہے اس کو زمین میں ڈالا، اس سے پودا نکلا اور پودے میں سات بالیاں ہیں اور ہر بالی میں ۱۰۰، ۱۰۰ دانے، اس طرح ایک دانے سے سات سو دانے بن گئے، اس طرح اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا اجر سات سو اور اس سے بھی زیادہ، اخلاص کی بنیاد پر، دیتے ہیں۔

اس مثال میں یہ ضروری نہیں کہ کوئی ایسی بالی پائی بھی جائے، یہ مثال تفہیم کے لیے ہے، نہ کہ اس کی تمام خصوصیات کے وجود کے لیے، تمام خصوصیات پالی جائیں تو بہت اچھا، ورنہ کوئی بات نہیں۔

تفسیر کے لیے سوال و جواب:

کبھی کسی شبہ کا جواب قرآن کی آیت میں دیا جاتا ہے، یا کسی سوال کا جواب دیا جاتا ہے، جس کا مقصد گزشتہ کلام کی وضاحت کرنا ہوتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کسی نے بعینہ یہ سوال کیا تھا، یا کسی نے یہی شبہ وارد کیا تھا۔

صحابہ اکثر اپنی تفسیروں میں سوال و جواب کی شکل میں اپنے کلام کی تشریح کیا کرتے تاکہ مراد خداوندی سمجھ میں آجائے۔

تقدم زمانی اور تاخر زمانی:

کبھی کبھی صحابہ کرام تقدم و تاخر کا ذکر فرماتے ہیں، اور اس سے تقدم و تاخر زمانی نہیں مراد لیتے ہیں، بل کہ تقدم و تاخر زمانی مراد لیتے ہیں۔

جیسے حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ“ (التوبہ: ۳۴)

ابن عمر کا کہنا ہے کہ یہ آیت نزول زکوٰۃ سے پہلے کی ہے، جب زکوٰۃ کے لیے آیت نازل ہوئی تو اس کو مال کی طہارت کا ذریعہ بنا دیا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ”سورۃ براءت“ سب سے آخری سورت ہے، اور یہ آیت بعد کے قصوں کی اہمیت کے لیے ہے جن سے چند سال پہلے زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے۔ اس قول سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب ہے کہ اجمال کا رتبہ تفصیل پر مقدم ہے۔

فن توجیہ:

”توجیہ“ کے لغوی معنی وجہ بیان کرنا۔

اصطلاحی تعریف توجیہ کی یہ ہے: ”کسی کلام اور گفتگو کے مرادی معنی متعین کرنا

توجیہ کہلاتا ہے۔“

توضیح: آیت کے معنی کوئی شبہ ہوتا ہے، اس طرح کہ آیت کے مدلول کی صورت، بعید معلوم ہوتی ہے تو صحیح معنی بیان کر دینا جس سے شبہ ختم ہو جائے، توجیہ کہلاتا ہے۔ کبھی دو آیت میں بہ ظاہر تعارض ہوتا ہے تو تعارض دور کرنا بھی توجیہ کہلاتا ہے۔ کبھی آیت کا مطلب طالب علم کے لیے مشکل ہوتا ہے، تو مطلب سمجھا دینا بھی توجیہ کہلاتا ہے۔ کبھی آیت میں کوئی قید ذکر کی گئی ہے، جس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، تو اس کا مطلب سمجھا دینا

بھی ”توجیہ کہلاتا ہے۔

مثالیں توجیہ کی: (۱)..... آیت ہے ”بَاخْتِ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ سَوْءٍ“ اس آیت میں ”اُخْتُ هَارُونَ“ کے متعلق المی کتاب نے پوچھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان ایک لمبا زمانہ گزرا ہے، تو ہارون علیہ السلام مریم کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ گویا کہ سائل اپنے دل میں پہلے ہی سے یہ طے کیے بیٹھا ہے کہ یہاں ہارون وہی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔

توجیہ: اسی مسئلے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حل فرمایا ہے، اس حل کو توجیہ کہتے ہیں، حل اس طرح فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ ان کے نیک لوگ جو گزر جاتے تھے، تو ان کے ناموں کو اپنے یہاں پیدا ہونے والے بچوں کے لیے مقرر کر لیتے، تو یہاں مریم کے ایک بھائی تھے جن کا ہارون نام تھا جیسے کہ موسیٰ کے بھائی کا نام ہارون تھا۔

(۲)..... کوئی سوال کرے کہ حشر کے دن انسان اپنے چہرے کے بل کیسے چلے گا۔ یہی سوال نبی سے لوگوں نے کیا بھی تھا۔

توجیہ: شیخین نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجیہ فرمائی کہ جو خدا دنیا میں انسانوں کو پیروں سے چلانے پر قادر ہے، قیامت میں وہ چہرے کے بل بھی چلا سکتا ہے۔

(۳)..... اسی طرح لوگوں نے رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ان دو قول کے درمیان تطبیق کی کیا شکل ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ایک قول ہے: ”فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ“ جب صور پھونکا جائے گا تو لوگوں کے درمیان کوئی رشتہ و نسب نہ رہے گا اور نہ ایک دوسرے سے گفتگو کریں گے۔ (مومنون: ۱۰۱)

دوسرا قول ہے: ”وَاقْبَلْ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ“ (صافات: ۲۷)

ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں گفتگو کریں گے۔

توجیہ: عدم گفتگو میدان محشر میں ہوگی اور گفتگو جنت میں ہوگی۔

(۴)..... لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ اگر صفا و مروہ کے درمیان سعی

واجب ہے، تو اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ ”اس پر کوئی حرج نہیں ہے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے“۔

توجیہ: حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ کچھ لوگ اس سے بچتے تھے اور حرج سمجھتے

تھے کہ صفا و مروہ پر بت رکھتے تھے وہاں ہم واجب سعی ادا کرنے کیسے جائیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا واجب سعی ادا کرنے کے لیے وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۵)..... حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سورہ نساء:

۱۰۱ میں ”إِنْ حِفْظُكُمْ“ کی قید کا کیا مطلب ہے۔

توجیہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ ”إِنْ حِفْظُكُمْ“ کی

قید، قیدِ احترازی نہیں ہے، یہ قیدِ اتفاقی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”صَدَقَةُ نَصَدَّقُ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَأَقْبِلُوا

صَدَقَتَهُ“۔ (رواہ مسلم فتح الملہم ۲: ۲۵۰)

یہ صدقہ ہے جسے اللہ نے تم کو دیا ہے، تو تم اللہ کے صدقے کو قبول کرو۔ مطلب

یہ ہوا کہ جیسے شرفاء صدقہ دینے میں تنگ ظرفی سے کام نہیں لیتے، ایسے ہی خدا نے اس قید

کو ضیق اور تنگی کے لیے نہیں بڑھایا کہ قیدِ احترازی ہو بلکہ یہ قیدِ اتفاقی ہے۔

تفسیر میں افراط:

قرآن کی آیات کے مرادی معنی کھول کر اس طرح بیان کرنا کہ مخاطب کو مراد خداوندی سمجھ میں آجائے تفسیر کہلاتا ہے۔ لیکن آیات کے معنی کھولنے کے لیے بلا ضرورت قصوں کی بھرمار اور رطب و یابس تفسیر میں افراط کہلاتا ہے۔

قدیم عرب مؤرخین میں محمد بن اسحاق مطلبی مدنی متوفی ۱۵۱ھ، قدیم مؤرخ اسلام محمد بن عمر واقدی مدنی متوفی ۲۰۷ھ (وفات بغداد میں) اور محمد بن سائب کلبی عرب کے احوال و اخبار اور تفسیر کے ماہر متوفی ۱۴۶ھ۔ ان تین حضرات نے تفسیر میں افراط سے کام لیا ہے۔

انہوں نے ہر آیت کے تحت کوئی نہ کوئی قصہ ذکر کیا ہے، ان ذکر کردہ قصوں میں اکثر کی سند غیر معتبر ہے، محدثین کے نزدیک معتبر نہیں، لہذا یہ سمجھنا کہ تفسیر کی شرط ہی یہ ہے کہ ہر آیت کے نزول کے لیے کوئی قصہ ہونا چاہیے، واضح ترین غلطی ہے۔

چوتھی فصل:

حذف، ایجاز و اطناب اور ابدال و تکرار وغیرہ کے بیان میں اللہ کے کلام کے مرادی معنی سمجھنے میں دشواری پیدا کرنے والی حسب ذیل اشیاء بھی ہیں:

(۱) حذف (۲) ابدال (۳) تقدیم و تاخیر (۴) زیادتی کلام (۵) مشابہات و محکمات (۶) تعریضات (۷) کنایات (۸) حسی مثالیں (۹) استعارے (۱۰) مجاز عقلی تفصیل سے گریز کرتے ہوئے ہم ہر ایک پر پہل انداز میں مختصراً روشنی ڈالیں گے؛ ان شاء اللہ!

حذف

حذف کی چند قسمیں ہیں: مضاف کا حذف، موصوف کا حذف، متعلق وغیرہ کا حذف، ان تمام کی چند مثالیں قرآن کی آیتوں سے ملاحظہ کریں: مثالیں:

(۱) ”وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ“ (البقرہ: ۱۷۷) ”مَنْ آمَنَ“ سے پہلے ”بِرَّ“ مضاف حذف ہے۔

(۲) ”وَأَتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً“ ”مُبْصِرَةً“ سے پہلے موصوف ”آیۃ“ حذف ہے۔ یعنی ہم نے قوم ثمود کو انوشی روشن معجزہ کے طور پر دی۔ (بنی اسرائیل: ۵۹)

(۳) ”وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ“ (البقرہ: ۹۳) ”یہاں العجل“ سے پہلے ”حب“ حذف ہے، جو مضاف ہے۔

(۴) ”وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ“ (یوسف: ۸۲) ”القریۃ“ سے پہلے ”اہل“ مضاف حذف ہے۔

(۵) ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ“ (قدر: ۱) ”ہضمیر کا مرجع حذف ہے۔

ابداً

ابداً کے معنی بدل دینا، کسی چیز کو دوسرے کی جگہ پر لانا۔ قرآن میں ابدال بہت واقع ہوا ہے جس کو نہ جاننے سے صحیح معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ یہ ابدال کئی طرح کا ہوتا ہے:

کبھی فعل کو دوسرے فعل سے بدلتے ہیں

کبھی اسم کو دوسرے اسم سے بدلتے ہیں

کبھی حرف کو دوسرے حرف سے بدلتے ہیں

کبھی جملے کو دوسرے جملے سے بدلتے ہیں

کبھی نکرہ کو معرف سے بدلتے ہیں

کبھی مذکر کو مؤنث سے

کبھی واحد کو جمع سے

کبھی متنیہ کو واحد سے

کبھی شرط و جزا اور جواب قسم کو مستقل جملے سے

کبھی انشائیہ جملے کو خبریہ جملے سے۔ وغیرہ وغیرہ

مثالیں: اللہ تعالیٰ نے مختلف اغراض سے ایک فعل کی جگہ دوسرے فعل کو ذکر کیا ہے:

فعل

مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِهْذَا اِلَيْهِ يَذْكُرُ اِلَيْهِكُمْ" کیا یہی ہے جو

تمہارے محبوبوں کو بُرا بھلا کہتا رہتا ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے يَذْكُرُ فعل کو يَسْبُكُ کی

جگہ پر ذکر کیا ہے۔

اسم

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ“۔ ترجمہ: اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایک اسم کی جگہ دوسرا اسم ذکر کیا ہے۔ یعنی ناصِر واحد کی جگہ پر ناصِرین جمع کو ذکر کیا ہے۔

حرف

ایسا ہی کبھی ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں، مثلاً: ”وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ“ (مومنون: ۶۱) یہاں پر ”لَهَا“ الی کی جگہ پر ”ل“ حرف جر کو ذکر کیا ہے۔ وَهُمْ إِلَيْهَا سَابِقُونَ کی جگہ پر وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ کہا ہے۔

جملہ

کبھی ایک جملے کی جگہ پر دوسرا جملہ لاتے ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”لَمَثُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ“ (سورہ البقرہ: ۱۰۳) یہ جملہ لَوْ جَعَلُوا ثَوَابًا کی جگہ پر آیا ہے۔

معرفہ

کبھی معرفہ لاتے ہیں، حالانکہ وہ نکرہ لانے کی جگہ تھی۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”حَقُّ الْيَقِينِ“ یہاں پر حق مضاف معرفہ ہے، اصل میں حق نکرہ موصوف تھا۔

مذکر

کبھی مؤنث کی جگہ پر مذکر لاتے ہیں، جیسے، اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي، هَذَا أَكْبَرُ“ (انعام: ۷۸) یہاں ”هَذِهِ“ کی جگہ پر ”هَذَا“ مذکر لائے ہیں۔

ثنیہ

کبھی ثنیہ کی جگہ پر مفرد لاتے ہیں: جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ”وَمَا تَقْمُوا إِلَّا أَنْ
أَغْنَاهُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ“ یہاں پر فضلہما کی جگہ پر فضلہ لائے ہیں۔

جواب قسم کی جگہ پر مستقل جملہ

کبھی قسم کے جملوں کے بعد جواب قسم آنے کے بجائے کوئی دوسرا مستقل جملہ
لاتے ہیں؛ مثلاً: ”وَالنَّارِ عَابَ غُرَفًا، وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا، وَالشَّابِّ حَاتِ
سَبْحًا، فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا، فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا، يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ“ یہاں پر
”البعث والحشر حق“ جواب قسم ہے جو بدل کر مستقل جملہ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ
لائے ہیں۔

غائب

کبھی اسلوب کلام میں خطاب کا صیغہ ہوتا ہے، اس کو بدل کر غائب کا صیغہ
لاتے ہیں، جیسے ”حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ، وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَوِيلَةٍ“ (یونس: ۲۲)
یہاں پر کنتم حاضر و خطاب تھا، یہم غائب سے اس کو بدل دیا۔

جملہ انشائیہ

کبھی اللہ تعالیٰ جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس کا برعکس،
جیسے ”فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا“ (الملك: ۱۵) یہاں پر امر کا صیغہ فَامْشُوا جملہ انشائیہ ہے
لَعَمْرُؤُا فعل مضارع کی جگہ پر۔ یہ جملہ خبریہ ہے۔

تقدیم و تاخیر

تقدیم و تاخیر سے مطلب مشکل ہو جاتا ہے، جیسے۔

بُشَيْنَةٌ شَانَهَا سَلَبَتْ قُوَادِي

بِلَا جُورٍ أَتَيْتُ بِهِ سَلَامًا

ترجمہ: بُشَيْنَةٌ نامی محبوبہ نے میرا دل چھین لیا بلا کسی جرم کے جس کا میں نے ارتکاب کیا ہو، ان کی شان تو سراپا سلامتی ہے۔ یہاں شانہا کے بعد سلاما جو اصل میں سلام خبر ہے، اس کو بہت مؤخر کر دیا ہے جس سے مطلب مشکل ہو گیا ہے۔

زیادتی کلام

کلام عربی اپنی سادہ طبیعت اور واضح الفاظ سے معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں اس میں کبھی کسی لطیف مقصد کے پیش نظر کچھ زیادتی اور اضافہ کیا جاتا ہے، جس سے مطلب فہمی میں دشواری ہو جاتی ہے، اسی زیادتی کو سمجھ لینے سے کلام سمجھ میں آ جاتا ہے، قرآن کریم میں فصاحت و بلاغت کے پیش نظر ایسا بہت ہوا ہے؛ چند مثالیں ہیں۔

مثالیں:

صفت

کبھی کبھی صفت کو بڑھا دیا جاتا ہے جب کہ بغیر اس کے بھی معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں، جیسے ”وَلَا طَائِرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ“ (انعام ۲۸) يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ کے بغیر بھی معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں، لیکن اس کو زیادہ کر دیا گیا ہے۔

بدل

کبھی بدل لا کر کلام میں زیادتی کی جاتی ہے، جیسے ”لِلَّذِينَ اسْتَظْفَعُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ“ (اعراف: ۵۵) اس مثال میں لِلَّذِينَ اسْتَظْفَعُوا مبدل منہ ہے؛ اسی سے معنی سمجھ میں آسکتے ہیں لیکن لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ سے بدل لا کر کلام میں زیادتی کی گئی ہے۔

عطف تفسیری

کبھی کبھی عطف تفسیری سے کلام میں زیادتی کی جاتی ہے، بغیر عطف کے بھی معنی سمجھ میں آجاتے ہیں، لیکن عطف تفسیری لا کر زیادتی کی گئی، جیسے ”حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اَشُدَّهُ وَبَلَغَ اَرْبَعِينَ سَنَةً“ (احاف: ۱۵) یہاں پر ”و“ تفسیر کے لیے ہے۔

تکرار

کبھی کبھی کلام میں زیادتی، تکرار کے ذریعے ہوتی ہے۔ جیسے قرآن کریم کی آیت: ”وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ، اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ“ (یونس: ۶۷) یہاں پر ”وَمَا يَتَّبِعُ“ کے بعد ”اِنْ يَتَّبِعُونَ“ آیا ہے یہ تکرار ہے، کیوں کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے، ”مَا يَتَّبِعُ“ میں ”مَا“ ہے اور ”اِنْ يَتَّبِعُونَ“ میں ”اِنْ“ تافیر ہے۔

حرف جر

کبھی حرف جر کو فاعل، یا مفعول بہ پر زیادہ لاتے ہیں، جس کا مقصد ”تاکید“ کا ہے اتصال ہے ہوتا ہے۔ مثلاً: ”يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا“ اس مثال میں علی حرف جر زیادہ ہے اصل میں یوم یحمی ہی ہے۔

واوِ اتصال

واو کو بھی ”تاکیدِ اتصال“ کے لیے زیادہ کیا جاتا ہے، اور ایسا بہت ساری جگہوں پر ہوتا ہے، یہاں واوِ عطف کے لیے نہیں ہوتا ہے۔

مثال: ”وَلِيُمَخِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا“ یہاں ”و“ تاکیدِ اتصال کے لیے ہے، عطف کے لیے نہیں۔

فائِ اتصال

”واو“ کی طرح ”فا“ بھی تاکیدِ اتصال کے لیے آتی ہے، موصوف صفت کے درمیان اتصال کے لیے ”واو“ آتا ہے، یہاں فا بھی آسکتی ہے، مثلاً ”وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ“ (حجر: ۴)

انتشارِ ضمائر

کبھی ضمیروں کی زیادتی اور مرجع کے مختلف ہونے کی وجہ سے، فہم مراد میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً ”وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوهُمْ عَنِ السَّبِيلِ، وَيَخْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ“۔

اس آیت میں ”هُمْ“ ضمیر کا مرجع ”شیطان“ ہے اور پھر ”هُمْ“ کا۔ (ذخرف: ۳۷) مرجع ”النَّاسُ“ ہے، اور پھر ”هُمْ“ کا مرجع ”النَّاسُ“ ہے۔ اس طرح سے ہونا، انتشارِ ضمائر کہلاتا ہے۔

مختلف المعانی الفاظ

عربی زبان میں کچھ ایسے الفاظ ہیں جن کے معانی، سیاق و سباق اور استعمال کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، اسی لیے فہم مراد میں دشواری آ جاتی ہے، وہ الفاظ یہ ہیں:

(۱) جَعَلَ (۲) شَيْءٌ (۳) أَمْرٌ (۴) خَطْبٌ (۵) نَبَأٌ (۶) خَيْرٌ (۷) شَرٌّ۔

جعل: چنانچہ جعل کبھی خلق کے معنی میں آتا ہے: جیسے ”جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ“۔

اسی طرح جعل ”اعتقد“ کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے ”وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِثْلَ دَرَاهِمٍ“ انہوں نے اللہ کے لیے اس کی مخلوقات میں سے اعتقاد کر لیا.....

شئیء: ”شئیء“ فاعل کی جگہ مفعول بہ، مفعول مطلق وغیرہ کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔

امر، خطب، نبأ: یہ الفاظ بھی اپنے سیاق و سباق کے معنی کے اعتبار سے، معنی دیتے ہیں۔

خیر، شر: ان الفاظ کا ترجمہ بھی مقام کے لحاظ سے کریں گے۔

انتشار آیات

انتشار آیات کا مطلب یہ ہے کہ آیت تو نازل ہوئی ہے پہلے، لیکن تلاوت میں وہ بعد میں آتی ہے۔ مثلاً: ”قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ“ پہلے نازل ہوئی ہے، اور ”سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ“ بعد میں اتری ہے، لیکن تلاوت میں پہلے ”سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ“ ہے اور قَدْ نَرَى... الخ بعد میں ہے۔

پانچویں فصل:

محکمات، متشابہات، تعریضات، کنایات، حسی مثالیں، استعارات و مجاز عقلی کے بیان میں

محکمات:

محکمات سے وہ آیات مراد ہیں، جن سے زبان جاننے والا، صرف ایک معنی سمجھے۔ فہم سے مراد قدیم عرب کی فہم ہے، ہمارے زمانے کے محققین و مدققین کی فہم نہیں مراد ہے، جو تحقیق کے نام پر صرف بال کی کھال نکالنا جانتے ہیں؛ اس طرح کی تدقیق و تحقیق اور بال کی کھال نکالنا آج کل ایک ایسا علاج مرض بن گیا ہے، جو بجائے کسی نتیجے تک پہنچنے کے، محکم ہی کو متشابہ بنا دیتا ہے۔

متشابہات:

یہاں متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں، جن میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہو۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ“ (۲:۲۵۸) یہاں پر ”وَأَرْجُلَكُمْ“ متشابہات کی مثال ہے، اس لیے کہ اس میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال ہے، وہ یہ کہ اس کا عطف قریب پر ہوگا، تو کسرے کے ساتھ وَأَرْجُلَكُمْ پر ہیں گے، یہ ایک احتمال ہوا؛ دوسرا احتمال یہ ہے کہ عطف بعید پر ہوگا تو وَأَرْجُلَكُمْ فتح کے ساتھ ہوگا۔

اسی طرح لَامَسْتُمْ کے دو معنی ہیں: جماع اور مس بالید؛ اسی طرح سے ”وَمَا

يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ، وَ الرُّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ “ کی آیت میں دو احتمال: ایک
وَالرُّاسِخُونَ میں واو استیناف کے لیے، دوسرے عطف کے لیے۔ اس طرح کی تمام
مثالیں مشابہات کے ضمن میں آتی ہیں۔

تعریضات:

لغوی معنی: صراحت نہ کرنا، اشارے سے بات کہنا۔

اصطلاحی معنی: تعریض کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم عام یا حکم غیر مخصوص ذکر کریں جس
میں کسی خاص آدمی کی حالت کی طرف اشارہ اور تنبیہ مقصود ہو۔

توضیح: اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ عام الفاظ ذکر کر کے خاص آدمی کے حالات کی طرف
اشارہ مقصود ہو اور درمیان میں اس خاص آدمی کی کچھ خاص صفات بھی بتادی جائیں، تاکہ
سننے والا غور کر کے مطلب نکال سکے۔

مثال: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَفْعَلُونَ
كَذَا وَكَذَا“۔

اسی طرح ”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا“
اس آیت میں نہ نب اور ان کے بھائی کے قصے کی تعریض ہے۔

کنایات:

یہاں پر کنایہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی حکم ثابت کیا جائے، لیکن اس سے اس حکم
کے ثبوت کا بعینہ قصد نہ کیا جائے بل کہ یہ قصد ہو کہ مخاطب کا ذہن لازم عادی یا لازم عقلی
کی طرف منتقل ہو جائے۔

مثال: (۱) عَظِيمَ الرِّمَادِ (۲) بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

پہلی مثال میں کہا گیا ہے کہ فلان ”عظیم الزاد“ ہے یعنی فلان کے گھر راکھ زیادہ رہتی ہے، یہ حکم بعینہ نہیں لگانا ہے، بل کہ اس کا لازم عادی مراد ہے کہ عادتاً جس کے یہاں راکھ زیادہ ہوگی، تو کھانا زیادہ پکتا ہوگا، کھانا زیادہ پکتا ہے، تو کھانے والے مہمان زیادہ آتے ہیں، تو فلاں کثرت سے ضیافت کرتا ہے۔ یہی معنی ”کہ فلاں کثرت سے ضیافت کرتا ہے“ لازم عادی ہیں اور یہی معنی مراد ہیں۔

حسی مثالیں: کسی آدمی کی بہادری بیان کرنا ہے، تو بہادری ایک معنی ہے اس کو جسی یعنی محسوس مثال سے لوگوں کو اس طرح سمجھایا جاتا ہے ”یہ آدمی تلوار اُدھر چلاتا ہے، پھر اُدھر چلاتا ہے۔“

اس مثال محسوس سے بہادری کا معنی واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، چاہے اس نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی تلوار نہ اٹھائی ہو۔

اس طرح کی محسوس مثالیں قرآن کریم میں بے شمار ہیں، مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

قرآن میں محسوس مثالیں:

(۱) ”أَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ“ (الاسراء: ۶۴)

(۲) ”وَجَعَلْنَا مَن بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا“ (یس: ۹)

(۳) ”وَأَنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا“ (یس: ۸)

(۴) ”وَضُمُّمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ“ (القصص: ۲۳)

استعارات و مجاز عقلی: فعل کو اپنے فاعل کے علاوہ کی طرف مشابہت کے علاقے و نسبت کی وجہ سے منسوب کیا جائے تو اس کو ”استعارہ“ یا ”مجاز عقلی“ کہتے ہیں۔

جو درحقیقت مفعول بہ نہ ہو اس کو مفعول بہ بنادینا بھی استعارہ یا مجاز عقلی کہلاتا ہے۔

مثال: بنی الامیر القصیر۔ اصل فاعل معمار ہے، الامیر کو فاعل بنادیا۔

انبت الربیع البقل۔ اصل فاعل اللہ ہے، الربیع کو فاعل بنادیا۔

تیسرا باب:

اسلوب قرآنی کا بیان

اللہ کی کتاب، قرآن کریم، آخری آسمانی کتاب ہے، جو بندگان خدا کو خواہشات نفسانی اور کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالتی ہے، اور توحید و رسالت اور آخرت کے انوار عطا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں پانچ علوم بیان کیے گئے ہیں جن کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے، قرآن کریم کو ایک سو چودہ چھوٹی بڑی سورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پھر ۶۶۶۶ آیتوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں چھوٹی بڑی تمام طرح کی آیات ہیں، نیز ان باتوں کو بیان کرنے کے لیے نہایت موثر اسلوب اور انوکھا انداز اختیار کیا ہے، پھر ایسا انداز کہ جس سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہو۔ ان تمام چیزوں کی قدرے تفصیلی وضاحت کے لیے ذیل میں ہم ۴ فصلیں قائم کریں گے:

پہلی فصل	:	قرآن کی ترتیب اور سورتوں کا اسلوب
دوسری فصل	:	سورتوں کی آیات میں تقسیم
تیسری فصل	:	علوم خمسہ کی عدم ترتیب
چوتھی فصل	:	اعجاز قرآنی کا بیان

پہلی فصل:

قرآن کی ترتیب اور سورتوں کا اسلوب

اللہ کی کتاب قرآن میں، آپ عام کتابوں کی طرح، ابواب اور فصلیں نہیں پائیں گے کہ ایک خاص طرح کا مضمون خاص باب میں اور ایک دوسری نوعیت کا مضمون ایک خاص فصل میں مل جائے۔

بل کہ قرآن کریم مکتوبات و پیغامات کے مجموعے کی مانند ہے۔ جیسا کہ دنیا میں طریقہ ہے کہ وقت کا بادشاہ اپنے عوام کے لیے خاص حالات میں ایک فرمان جاری کرتا ہے، پھر دوسرے حالات میں دوسرا فرمان، تیسرے میں تیسرا۔ اس طرح بہت سارے فرامین و مکتوبات جمع ہو جاتے ہیں، اس حالت میں کوئی شخص ان تمام فرامین و مکتوبات کو کتابی شکل میں جمع کر لیتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مختلف حالات میں مختلف طرح کے فرامین و پیغامات جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجے ہیں جن کا مجموعہ ”قرآن کریم“ ہے۔

یہی قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علیحدہ محفوظ کیا گیا، پھر ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں تمام سورتوں کو خاص ترتیب سے ایک ہی جلد میں مدون و محفوظ کیا گیا جس کو ”صحف قرآنی“ کہتے ہیں۔

سورتوں کی اقسام:

صحابہ ہی کے زمانے میں سورتوں کی ۴ اقسام سمجھی جاتی تھیں:

(۱) السبع الطول (۲) المثنون (۳) المثنائی (۴) المفصل

السبع الطول : قرآن کی سب سے لمبی سورتیں۔

المثنون : ایسی سورتیں جن میں ۱۰۰ یا اس سے کچھ زائد آیات ہوں۔

المثنائی : ایسی سورتیں جن میں ۵۰ سے کم آیات ہوں۔

المفصل : ایسی سورتیں جن میں مثنائی سے بھی کم آیات ہوں۔

مصنف عثمانی:

حضرت عثمان غنیؓ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے کے مصحف کو مختلف نسخوں میں تیار

کرایا۔ پھر مختلف علاقوں میں بھیجنا تاکہ مسلمان اسی نسخے کو پڑھیں۔

سورتوں کا آغاز و اختتام:

بادشاہوں کے خطوط و فرامین اور قرآن کی سورتوں میں کافی مناسبت پائی جاتی

ہے۔ بادشاہوں کے مکاتیب میں ابتدائی باتیں جس طرح ہوتی ہیں قرآن کریم کی سورتوں

کو بھی اسی طرح شروع کیا گیا ہے۔ شاہی فرامین جیسے ختم ہوتے ہیں، قرآنی سورتیں بھی

اسی طرح ختم کی گئی ہیں۔

چنانچہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ بعض فرامین و احکام، اللہ کی حمد سے شروع

ہوتے ہیں، بعض خطوط میں مرسل اور مرسل الیہ کا ذکر ہوتا ہے، بعض میں مقصود املا کرانا ہوتا

ہے۔ بعض کسی رقعے پر، یا کسی کاغذ کے ٹکڑے پر جلدی سے، مختصر اہل عنوان، لکھ دے جاتے

ہیں، بعض طویل بھی ہوتے ہیں۔

بالکل اسی طرح قرآن کریم کی سورتیں ہیں، بعض کا آغاز حمد و تسبیح سے ہوتا ہے؛ بعض کو اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کی غرض سے شروع فرمایا ہے۔

دیکھئے! سورہ بقرہ شروع ہو رہی ہے: ”ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ“ سے۔ سورہ نور کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے۔ ”سُورَةُ النُّورِ اَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا“۔ بعض سورتیں مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے شروع ہو رہی ہیں، جیسے ”تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ“۔ (حاشیہ: ۲)

بعض سورتیں بغیر عنوان کے، رقعہ لکھنے کے انداز پر شروع کی گئی ہیں؛ جیسے سورہ منافقون ”اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ“۔ سورہ مجادلہ ”قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الْبَغِيِّ تَجَادَلْكَ فِي زَوْجِهَا“۔ سورہ تحریم ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبَيَّنَىٰ مَرَضَاتٍ اِزْوَاجِكَ“۔ قصیدوں کا منہج بھی ملحوظ:

عرب کی فصاحت و بلاغت کا معیار ان کے عربی قصیدے تھے، جن کو تفاخر کے لیے دیوار کعبہ پر بھی لٹکا دیتے تھے۔

ان قصیدوں کے آغاز میں یہ لوگ دو شیرازوں کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے۔ پھر دوسری باتیں قصیدوں میں بیان کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مُمَجَّز کلام کی بہت ساری سورتوں میں اسی طرز و اسلوب کو اپنایا ہے جس کو عرب دیکھ کر انگشت بدنداں تھے کہ طرز تو عرب کے قصیدوں میں تھمب جیسا یعنی عورتوں کا جیسے ذکر کیا گیا ہے، لیکن وہاں دور دور تک عورت کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں تو توحید باری، قدرت خداوندی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہے۔

مثلاً: الصَّافَاتِ صَفًّا، فَالْاِجْرَاتِ رَجْرًا۔ آیت ”الصَّافَاتِ“ اور

”وَالزَّاجِرَاتِ“ کے صیغے سے الف اور لمبی تا کی وجہ سے عرب سمجھتے کہ عورتوں کا ذکر یعنی تہمیب یہاں بھی تو ہے، لیکن جب پتہ چلتا کہ نہیں یہاں تو فرشتوں کا ذکر ہے جو کبھی صف بستہ ہوتے ہیں اور کبھی دوسرے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اسی طرح ”وَاللَّذَارِيَّاتِ خَرُورًا“ اور ”إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ“ والی آیات بھی ہیں۔

خاتمہ سورت:

بادشاہ جیسے اپنے فرمان پر عمل کرانے کے مقصد سے فرمان کے اخیر میں، کبھی نصیحت، کبھی دھمکی اور کبھی جوامع الکلم لاتے ہیں؛ انسانوں کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ بھی سورتوں کے ختم پر یہ طرز اختیار کیا ہے۔

درمیان سورت میں کلامِ بلیغ کا استعمال:

کبھی کبھی اللہ تعالیٰ درمیان سورت میں کلامِ بلیغ لاتے ہیں جس میں تحمید و تسبیح اور تمجید و احسان کا عظیم ترین فائدہ اسلوبِ بدیع میں بیان فرماتے ہیں۔ جیسے خالقِ مخلوق کے مرتبے کا تضاد بیان کرنا شروع کیا تھا یہ فرماتے ہوئے کہ ”قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی، اَللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ“ (مل: ۵۹) پھر آگے ۵ آیات ہیں نہایت بلیغ انداز میں اس موضوع کو بتایا۔

مخلص کی ابتدا اور انتہا میں کلامِ بلیغ:

کبھی کبھی اللہ نے کسی سورت کے درمیان خاصہ کو ایک کلام سے شروع کیا ہے، تو جب سورت میں خاصہ کو ختم کیا ہے تو پھر اسی کلام سے ختم کیا ہے جس سے شروع کیا تھا۔ مثلاً: ”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذْ تُكْرٰوْا“ سے خاصہ شروع ہوا ہے، پھر اسی کلام سے آگے چل کر ختم بھی ہوا ہے۔

دوسری فصل:

سورتوں کی آیات میں تقسیم کا بیان

پورے قرآن کریم میں اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ۶۶۶۶ آیات ہیں (اگرچہ شیعہ فرقے کے نزدیک ایک قول کے مطابق ۱۲ ہزار اور دوسرے قول کے اعتبار سے ۱۸ ہزار آیتیں قرآن کریم میں ہیں، لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پوری کتاب کو ۱۱۴ سورتوں میں تقسیم کیا ہے پھر چھوٹی بڑی سورت کے اعتبار سے سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کیا ہے۔

چوں کہ عربوں کے سامنے قرآن نازل ہو رہا تھا، لوگ قصیدہ گوئی میں طاق تھے، وہ اپنے قصیدے ابیات و اشعار میں تقسیم کرتے، تو اللہ نے کلامِ شکر کو آیات میں تقسیم کر کے ان کو چیلنج کیا ہے۔

آیات و ابیات میں فرق:

آیاتِ قرآنیہ اور اشعار و ابیات میں ایک چیز قدر مشترک ہے، یعنی دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ آیات و ابیات دونوں سے متکلم اور سامع لذت حاصل کرتے ہیں، ترانے سے جو لطف ملتا ہے وہ آیت اور بیت دونوں کے پڑھنے اور سننے سے ملتا ہے۔

البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ابیات و اشعار، عروض و قافیہ کے پابند ہوتے ہیں، جن کو خلیل بن احمد نحوی نے مدون کیا تھا، پھر شعراء نقل کرتے رہے ہیں۔ لیکن آیت قرآنی میں صرف اجمالی وزن و قافیہ ہوتا ہے، اشعار کے اوزان و قوافی نہیں ہوتے۔

آیات و ابیات میں قدر مشترک چیز:

آیات و ابیات میں قدر مشترک چیز "التوافق التقریبی" ہے جس کو لذت اندوزی کا ذریعہ مانا جاتا ہے۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ اپنے خلقی ذوق سے خوبصورت قصیدوں اور موزوں کلام سے مٹھاس اور حلاوت محسوس کرتی ہے، اور اگر کوئی غور کرے کہ یہ مٹھاس کہاں سے محسوس ہوتی ہے تو پتہ چلے گا کہ یہ مٹھاس اور حلاوت مخاطب کو ہر اس کلام سے حاصل ہوتی ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے کے موافق، متوازن اور معتدل ہوں، اس طرح کا متوازن کلام من کر انسان ہر دم ایسا ہی متوازن کلام سننے کا منتظر رہتا ہے، اور جب اسی طرح کا کلام سن لیتا ہے تو اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے اور لذت دو بالا ہو جاتی ہے کیوں کہ جب دو شعر باہم ایک قافیے میں مشترک ہوں تو لذت کئی گنا بڑھ جانا یقینی ہے۔

بعد ازاں اجزائے ابیات میں توافق و توازن کے سلسلے میں مختلف خیالات و مذاہب پیدا ہو گئے، قافیہ کی شرائط میں اختلافات نے جنم لیا، عربوں کے نزدیک اس کے لیے وہ اصول و ضوابط بنیاد قرار پائے جنہیں خلیل بن احمد نحوی نے بیان و ایجاد کیے، ہندوستانیوں کے الگ قواعد بنے جن کو اس کی شاعرانہ طبیعت نے پسند کیا، اس طرح ہر زمانے کے لوگوں نے اپنی اپنی الگ وادی بنائی۔

قرآن کریم نے مشترک اجمالی حسن کی رعایت کی:

اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنے ہوئے انسان کو جب اپنے احکام کا مخاطب بنایا ہے، تو اس کے لیے جس کلام کا انتخاب کیا ہے وہ مشترک اجمالی حسن پر مشتمل ہے، اس کلام میں

اللہ تعالیٰ نے ایسے قواعد کا لحاظ نہیں کیا ہے جو بعض لوگوں کے نزدیک تو پسندیدہ ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ، کیوں کہ اگر ان قواعد کا لحاظ کیا جاتا تو زمانے اور افراد کے بدلنے سے وہ قواعد بھی بدلتے اور اسلوبِ قرآن پرانا ہو جاتا۔

ایک قاعدہ:

اللہ تعالیٰ قرآن کی سورتوں میں سانس کے پھیلاؤ یا امتدادِ نفس کا لحاظ کیا ہے اشعار کی طویل و مختصر، محروں کا خیال نہیں کیا ہے اور قافیہ و فواصل میں حروفِ مدہ پر سانس ٹوٹنے کا اعتبار کیا ہے فنِ قافیہ کے نشیب و فراز کا خیال نہیں کیا ہے۔
قرآن کریم کا وزن امتدادِ نفسی ہے:

حلقوم میں سانس کی آمد و رفت ایک امر طبعی ہے سانس کا چھوٹا بڑا کرنا بھی انسان کی قدرت میں ہے اگر سانس کو اصلی حالت پر چھوڑ دیں تو ہر انسان کی سانس کا امتداد محدود ہوگا اور الگ الگ حد امتداد ہوگی۔

اس پر مستزاد یہ کہ ہر انسان کے سبھی سانس پر اس کو دو تین کلمے بڑھالیتا یا گھٹالیتا بھی ممکن ہوتا ہے، اس لیے تمام انسانوں کی سانس کا امتداد الگ الگ اور بے شمار ہوگا، اس لیے مختصر کر کے امتدادِ نفسی کو تین قسموں میں بانٹا گیا ہے:

۱۔ امتدادِ نفسی طویل ۲۔ امتدادِ نفسی متوسط ۳۔ امتدادِ نفسی قصیر

۱۔ طویل: طویل کی مثال سورۃ نساء ہے۔

۲۔ متوسط: متوسط کی مثال سورۃ اعراف اور انعام ہے۔

۳۔ قصیر: قصیر کی مثال سورۃ شعراء اور الدخان ہے۔

قرآن کریم کا قافیہ حروف مدہ پر سانس کا ٹوٹنا ہے:

قرآن کریم کا قافیہ بڑا وسیع ہے، حروف مدہ جس پر قاری کا سانس ٹوٹ جائے وہی قرآن کا قافیہ ہے۔ جس کے اعادے اور تکرار سے خاص لطف ملتا ہے، یہ حروف مدہ کہیں الف کہیں یا اور کہیں واؤ ہوتے ہیں؛ ان تینوں حروف سے پہلے چاہے ”میم“ ہو، چاہے ”قاف“ ہو، چاہے راء ہو؛ سب ایک دوسرے کے موافق اور ایک ہی قاعدے پر جانے جائیں گے۔

مثال: یَعْمَلُونَ، مُؤْمِنِينَ، مُسْتَقِيمٍ، خُرُوجٍ، مَرْيَجٍ، تَجِدُ، تَبَارُ، فَوَاقٍ، عَجَابٌ۔

ان تمام مثالوں میں واو، الف، یا حروف مدہ سے پہلے الگ الگ حروف ہیں، یَعْمَلُونَ میں واؤ سے پہلے میم، مؤْمِنِينَ میں یا سے پہلے ”ن“ اور مُسْتَقِيمٍ میں یا سے پہلے قاف۔ یہ تمام ایک ہی قاعدے پر مانے جائیں گے۔

کلمے کے آخر میں الف آتا:

تَكْرِيْمًا، حَدِيْثًا، بَصِيْرًا جیسے الفاظ میں جو الف آرہا ہے، یہ بھی قرآن کا قافیہ ہے، اس کے بار بار پڑھنے میں لذت ہے۔

آیات کا توافق ایک حرف پر اور ایک ہی جملے کا اعادہ:

قرآن کی آیات کا ایک ہی حرف پر توافق جیسے کہ سورۃ الرحمن میں ”نون“ پر؛ اور سورۃ محمد میں ”میم“ پر ہو رہا ہے، یہ بھی مٹھاس اور معنوی لذت دیتا ہے؛ اسی طرح سورۃ شعراء سورۃ قمر سورۃ الرحمن اور مرسلات میں ایک ہی جملے کا بار بار اعادہ لذت معنوی کا بھرپور فائدہ دے رہا ہے۔

آخرِ سورت کے فواصل کا اول سورت سے مختلف ہونا:

کلام کی لطافت اور سامع کو نشاط بخشنے کے خاطر قرآن میں کبھی کسی سورت کے اول میں جو قافیہ اور فواصل ہوتے ہیں سورت کے آخر میں وہ نہیں ہوتے، انہیں بدل کر دوسرا قافیہ اور فاصلہ لے آتے ہیں۔ مثلاً سورہٴ مریم میں شروع میں قافیہ اس طرح تھا..... لتَشْفَى..... لِمَنْ يَنْخَشَى، العَلَى؛ آخر میں بدل کر اِذَا، هَذَا ہو گیا۔

فواصل میں قرآن کا منہج، نئے اوزان و قافیے کی قرآن میں ضرورت کیوں؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وہ اوزان و قافیے کیوں نہ ذکر کیے جو شعراء کے نزدیک معتبر اور پڑھنے سننے میں لذیذ تر معلوم ہوتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شعراء کے اوزان و قوافی اگرچہ لذیذ تر ہیں لیکن اقوام و ازمان کے بدلنے سے ان کی لذت بھی بدل جاتی ہے؛ اور یہ تبدیلی قرآن کے لیے عیب ہو جاتی، دوسرے زمانوں کے لوگ گزشتہ اوزان و قوافی کی لذت کو محسوس نہ کرتے تو قرآن کو بے کیف کہتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک نئے وزن و نئے قافیے کے ساتھ قرآن کریم کا ایک اتنی رسول کا پیش کرنا اس کی رسالت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر قرآن کریم انہیں کے قدیم اوزان و قوافی پر اترتا تو کفار سمجھتے کہ یہ تو وہی قدیم شعر، قدیم وزن اور قدیم قافیہ ہے، تو اس سے ان کو، کوئی نیا فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

نیز یہ فصحاء و بلغاء کی عادت رہی ہے کہ اپنے مضامین اور اپنے اشعار میں کوئی نئی صنعت اختیار کریں تاکہ اپنے ہم مشلوں و ہم عمروں پر ان کی فوقیت واضح ہو سکے۔

قرآن میں خطباء و حکماء کے طرز پر آیتیں:

قرآن نے بعض سورتوں اور بعض آیتوں میں اپنے عمومی طرز کو چھوڑ کر عرب کے خطباء کی خطابات کا انداز اختیار کیا ہے۔ بعض جگہ قرآن نے حکماء کے ضرب الامثال کا طرز اپنایا ہے۔ بعض سورتوں میں عرب کے رسائل و مکاتیب کا اسلوب ملحوظ رکھا ہے۔ البتہ کلام کو نہایت سلیقے سے ختم کرنے کے انداز ہی پر ختم کیا ہے۔

تیسری فصل:

علوم خمسہ کے تکرار اور عدم ترتیب کے بیان میں

سوال: علوم خمسہ کو قرآن میں بار بار مختلف مقامات پر کیوں بیان کیا گیا؟

جواب: کسی خبر سے دو فائدے مقصود ہوتے ہیں۔

(۱) فائدہ خبر: یعنی مخاطب کچھ نہیں جانتا تھا، اس کو خبر دے کر مطلع کیا گیا۔ (۲) دوسرا فائدہ کسی خبر سے یہ ہوتا ہے کہ اس علم کی صورت کا قوت بدر کہ میں احتضار مقصود ہوتا ہے تاکہ اس سے مکمل لطف اندوزی ہو سکے۔ جیسے کوئی ایسا شعر ہو جس کا مطلب ہم جانتے ہیں تو اس کو بار بار پڑھنے اور دہرانے سے ہر مرتبہ نئی لذت ملتی ہے۔

قرآن کریم میں علوم خمسہ بار بار اسی لیے آئے ہیں کہ اس سے دونوں گزشتہ فائدے مطلوب ہیں۔ یعنی جو بات یا حکم پہلے سے معلوم نہیں تھا اس کا علم ہو گیا اور اس علم کی صورت کے احتضار سے لذت ملے گی۔ علم الا احکام میں تو صرف پہلا فائدہ مطلوب

ہے، بقیہ چاروں اقسام میں دونوں فائدے مطلوب ہیں؛ اسی لیے کثرت سے تلاوت کا حکم ہے، تاکہ نئے نئے اسلوب، لذیذ و بے معانی نصوص تروتازہ اور بارونق عبارت، موثر فی النفس لہجہ اور ذہن کو آواز دینے والے مناجیم زبان و ذہن کی بند کڑیوں کو وا کرتے رہیں اور کلام الہی سے لذت اندوزی دونوں جہاں کی بہاروں کے کھینچ لائے۔

سوال: علوم خمسہ کو بالترتیب کیوں نہیں ذکر کیا گیا کہ پہلے آلاء اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تفصیل مکمل ہونے کے بعد ایام اللہ کو ذکر کرتے، پھر تذکیر بالموت کو، پھر ”علم الاحکام“ کو؟
جواب: اس کے ۲ جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ محض افادہ خبر مقصود نہ تھا، اختصار صورت اور لذت بھی مطلوب تھی جس کے لیے عدم ترتیب ہی ضروری تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے قرآن کے نزول کے وقت عربوں کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب تھی، نہ کوئی بشری تصنیف، صرف قصیدے تھے جس میں بلا ترتیب و تامل سچی بات کو نقل کر دینے کا اسلوب تھا اللہ تعالیٰ نے اس اسلوب کو عربوں کے مقتضائے حال کی رعایت میں ذکر کیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اور حضرت عمر کے خطوط اس کی دلیل ہیں۔ اس اسلوب پر اگر نزول قرآن نہ ہوتا، تو وہ لوگ حیرت میں پڑ جاتے، اور جہنی تشویش ہوتی۔

چوتھی فصل:

قرآن کریم کے وجوہ اعجاز کے بیان میں

قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے اور آخری کتاب۔ اس طرح کی کوئی کتاب خدا کے علاوہ کوئی دوسرا کیسے لاسکتا ہے۔ عاجز رہے گا خدا کی کتاب معجز ہے، عاجز بنانے والی۔

اب یہاں سوال اٹھتا ہے کہ آخر اس کتاب میں عاجز بنانے والی کیا چیزیں ہیں؟ کیا اسباب و وجوہ ہے جن کی وجہ سے یہ کتاب مُعْجَز ہے؟ تو اس کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۱۱۱۳ھ - ۱۱۷۶ھ) نے اپنی معرکہ الآراء کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں صفحہ ۱۰۱ پر دیتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے نزدیک متحقق پانچ اسباب اعجاز یاد رکھنے کے لائق ہیں۔

- (۱) الأسلوب البديع
- (۲) الأخبار عن القصص الماضية و أحكام الملل السابقة
- (۳) الأخبار بالأحوال الآتية
- (۴) الدرجة العليا من البلاغة
- (۵) وجه للمتدبرين في أسرار الشرائع

۱. الأسلوب البديع :

عربوں میں عربی زبان کے ۴ اسلوب رائج تھے:

۱ قصیدے۔ ۲ خطبے۔ ۳ رسائل۔ ۴ محاورات

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانچواں اسلوب قرآن کی شکل میں پیش کیا۔ آپ امی تھے پھر بھی ایک نیا اسلوب پیش کرنا عین اعجاز ہے۔

۲۔ الإخبار عن القصص:

نبی امی کی زبان پر ماضی کے واقعات اور گزشتہ قوموں کے حالات کا جاری ہونا بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے۔

(۳) مستقبل کے حالات کی خبر دینا جب بعد میں اسی طرح واقع ہو جاتا ہے تو قرآن کا نیا اعجاز ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۴) انسان کی قدرت سے باہر اعلیٰ درجے کی بلاغت کا انسان سے ظاہر ہونا، یہ بھی قرآن کریم کا سبب اعجاز ہے۔ مثلاً: قرآن نے جن جامع اور فصیح الفاظ کو اور جن شیریں اور پاکیزہ عبارات کو استعمال کیا ہے وہ انسان کی قدرت سے باہر کی چیز ہے، متقدمین و متاخرین کی کسی عبارت میں اس کو آپ نہیں پاسکتے۔

اسی طرح تذکیر ثلاثہ اور مخاصمۃ کی اقسام میں ہر مقام کے مطابق سورتوں کے اسلوب کی رعایت کے ساتھ کلام کرنا اعلیٰ درجے کی بلاغت ہے۔ انبیائے کرام کے قصوں کو سورۃ اعراف، ہود، شعراء، الصافات اور الذاریات ان تمام سورتوں میں پڑھیے تو آپ کو ہر جگہ، ہر سورت میں الگ الگ انداز نظر آئے گا۔

مجرمین کی سزا اور نیک بندوں کے انعام کا ذکر ہر جگہ نئے اسلوب، جدید انداز اور انوکھے پیرائے میں پائیں گے۔ اسی طرح مقتضائے حال کی رعایت کنایات و استعارات کا استعمال قرآن میں، اعلیٰ درجے میں پایا جاتا ہے جو انسانی قدرت سے دور ہے۔ اللہ ہی کی قدرت میں ہے۔

یزیدک وجہہ حسنا

إذا ما زدته نـظـرا

اس کا حسن تمہاری نظر میں ہر پل بڑھتا ہوا معلوم ہوگا
جب بھی تم اس کو دیکھو گے اور دیکھتے رہو گے۔

(۵) کسی فن کا ماہر اپنے فن کی بات صحیح بتا سکتا ہے، ماہر طب ”قانون“ نامی کتاب کی صحیح بات بتا سکتا ہے۔ اسی طرح شریعت کے اسرار و رموز سے واقف ہی بتا سکتا ہے کہ کتنے سلیقے سے نفوس انسانی کی تہذیب و اصلاح کا کام قرآن کریم میں کیا گیا ہے کہ ہر چیز بالکل متوازن، معتدل، بر محل اور مضبوط ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

گر دلیلت باہت رو ازوے متاب

چوتھا باب:

مناہج تفسیر کا بیان

اللہ کے کلام کی اصل مراد تک پہنچنا ”تفسیر“ کہلاتا ہے، اصل مراد تک پہنچنے کے علمائے امت نے مختلف نہج اور مختلف پہلو اختیار کیے ہیں اور بڑی جاں نسل محنت کی ہے۔ اسی لیے تفسیر کے مناہج اور مراو خداوندی تک پہنچنے کے اسلوب بہت ہو گئے ہیں اور مختلف مباحث پیدا ہو گئے ہیں، ان تمام مباحث کو یہاں ۴۲ فصلوں میں بیان کیا جائے گا۔
ان شاء اللہ!

پہلی فصل: محدثین کی تفسیر اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

دوسری فصل: استنباط احکام، فہم توجیہ اور اعتبار کے بیان میں۔

تیسری فصل: غرائب القرآن کے بیان میں۔

چوتھی فصل: بعض علوم وہی کے بیان میں۔

مفسرین کی اقسام

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۳۱ھ) نے اپنی کتاب ”الفوز الکبیر“ میں مفسرین کی ۷ اقسام بتلائی ہیں، پھر تفسیر کے میدان کو وسیع فرما کر اور اقسام کی گنجائش نکالی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

۱..... محدثین کی جماعت:

محدثین کی جماعت بھی مفسرین کی ایک قسم ہے، یہ جماعت آیات قرآنیہ کے مناسب احادیث نقل کرتی ہے، ان احادیث میں حدیث مرفوع، حدیث موقوف حدیث مقطوع اور اسرائیلی روایات بھی ہوتی ہیں۔

۲..... متکلمین کی جماعت:

متکلمین بھی مفسرین میں شامل ہیں، ان کا کام یہ ہے کہ صفات و اسماء الہی کی تاویل کرتے ہیں، صفات متشابہات میں جو تاویل اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق نہیں ہوتی اس کو ظاہر معنی سے پھیر دیتے ہیں اور مخالفین کے بعض قرآنی استدلالات کا جواب دیتے ہیں۔

۳..... فقہائے اصولیین کی جماعت:

فقہائے اصولیین کی جماعت بھی مفسرین میں شامل ہے۔ ان حضرات کی توجہ احکام فقہیہ کے استنباط کی طرف ہوتی ہے، ایک اجتہاد کو دوسرے پر ترجیح دینا اور مخالفین کے استدلال کا جواب دینا بھی ان کا مشغلہ ہے۔

۴.....نحوی لغوی حضرات:

یہ بھی مفسرین میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کا مشغلہ ہے قرآن کے اعراب اور لغات کو حل کرنا اور کلام عرب سے ہر باب میں مکمل اور نام دلائل و شواہد فراہم کرنا۔

۵.....ادباء کی جماعت:

اس جماعت کا کام یہ ہے کہ یہ حضرات قرآنی آیات کے معانی، اس کے نکات اور اس کا مکمل بیان پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہیں فخر ہے۔

۶.....قرائے کرام:

یہ بھی تفسیر کرتے ہیں، ان کا مشغلہ یہ ہے کہ اپنے شیوخ سے ماثور قرأت کی روایت کا اہتمام کرتے ہیں، اور اس باب کی تمام چھوٹی بڑی باتیں ذکر کرتے ہیں۔

۷.....صوفیائے کرام:

یہ بھی مفسرین میں شامل ہیں یہ حضرات علم تصوف و سلوک یا علم الحقائق و الاحسان سے متعلق جملہ علوم کو آیت کی ادنیٰ مناسبت سے بھی ذکر کرتے ہیں۔

جوامع التفسیر:

بعض علمائے امت نے گذشتہ تمام تفسیروں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے، ان کی تفسیر ”جامع التفسیر“ کہلاتی ہے۔ ایسی کتابیں عربی، فارسی اور اردو میں بھی موجود ہیں، بیان القرآن از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ (۱۲۸۰ھ-۱۳۶۲ھ) کو جامع التفسیر کہا جانے کا پورا حق حاصل ہے جو اردو میں ہے۔ بعض نے اس کے ساتھ مطول و مختصر دونوں طرح کی تفسیریں لکھی ہیں۔

پہلی فصل:

حدیث کی تفسیر اور اس کے متعلقات کے بیان

کتب تفسیر میں جتنی حدیثیں مروی ہیں ان میں سے ایک حصہ شان نزول کے بیان سے متعلق ہے، شان نزول کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس میں مومنوں کا ایمان اور منافقوں کا نفاق جانچا جائے۔ جیسا کہ غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں ہوا ہے، تو اللہ نے مومنین کی تعریف اور منافقوں کی مذمت میں آیات نازل فرمائیں، تاکہ دونوں جماعت الگ الگ ہو جائے اور واقعے کے درمیان کچھ اشارے اور تعریضات اپنی خصوصیات کے ساتھ وارد ہوتی ہیں، تو حادثے اور واقعے کی مختصر انداز میں تشریح ضروری ہوتی ہے تاکہ سیاق کلام قاری پر واضح ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ آیت کا معنی اپنے صیغے کے عموم کی وجہ سے عام و تام ہو، اس قصہ کی جاننے کی ضرورت نہ ہو جو شان نزول ہے کیوں کہ ”العبارة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب“ ایسے مقام پر شان نزول والے قصے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن متقدمین مفسرین ایسے مقام پر بھی قصے کو عموم آیت کا مصداق ہونے کی بنا پر ذکر کر دیتے ہیں۔

تفسیر میں بچنے کی باتیں:

قرآن کریم میں بعض قصے اشارتاً مذکور ہوتے ہیں جس کو مفسرین خوب بڑھا چڑھا کر اور اسرائیلیات سے یا سیرت کی کتابوں میں جزئی تفصیلات لے کر خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں، یہ تفصیل قابل احتراز ہے۔ ہاں اگر تفصیلی قصہ ہی سے آیت کی تفسیر

سمجھ میں آئے، تو مفسر و مدرس پر لازم ہے کہ اس جگہ قصے کی تفصیل کرے، لیکن اس میں بے مقصد جزئی تفصیلات، مثلاً: بنی اسرائیل نے گائے ذبح کی یا بیل، اصحاب کہف کے کتے کا رنگ لال تھا یا چتکبرا؛ یہ سب بے معنی تفصیل ہے، صحابہ اس کو ناپسند فرماتے اور وقت کا ضیاع تصور کرتے۔

محققین علی سبیل الاحتمال بھی تفسیر کرتے ہیں:

محققین مفسرین بسا اوقات احتمالی تفسیر کرتے ہیں، اس کی تفصیل کے لیے دو باتیں ذہن نشین کر لینا چاہیے: ۱۔ تفسیر میں کسی آیت کا مفہوم بتانے کے لیے جو قصے احادیث میں آتے ہیں، جیسے ہیں بعینہ اسی طرح انہیں نقل کرنا چاہیے، کچھ کی بیشی نہیں کرنا چاہیے، تاکہ یہ تفسیر یقینی رہے، کیوں کہ محققین کی بہت ساری تفسیر احتمالی بھی منقول ہیں تو جب آدمی منقول قصوں میں کی بیشی نہیں کرے گا، تو یقینی تفسیر احتمالی تفسیر کے ساتھ گڈ نہیں ہوگی، احتمالی تفسیر کی یہ شکل تھی کہ بعض محققین مفسرین نے قرآنی تعریضات و اشارات کو کھوکھلا اپنا موضوع بنا لیا تھا، اب اس کی وضاحت کے وقت احتمالی مصداق مناسب انداز میں طے کرتے، پھر اس کی تفسیر کرتے، یہ معاملہ متاخرین پر مشتبہ رہا کہ آیا یہاں پر احتمالی مصداق مانا گیا ہے، یا یقینی تفسیر ہے، جس کی وجہ سے متاخرین نے احتمالی اور یقینی دونوں تفسیروں کو گڈ کر دیا ہے، لہذا حدیث کے قصوں کو من و عن نقل کرنے سے یہ التباس نہ ہوگا۔

(۱) بنی اسرائیل کی دیسہ کاری کی وجہ سے اسرائیلیات کا بڑا حصہ ہمارے تفسیری خزانوں میں در آیا ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرائیلیات سے متعلق ہم کو یہ ضابطہ دے دیا ہے کہ ”لا تصدقوا اهل لکتاب ولا تکذبوا هم“ (رواہ البخاری) اس حدیث کی بنیاد پر ہم کو دو تفسیری اصول ملے:

(۱) قرآنی تعریضات کی تفسیر کے لیے جب تک حدیث رسول موجود ہو، اسرائیلیات سے نقل کر کے تفسیر کرنا جائز نہیں۔ (۱)

(۲) دوسرا یہ ہے کہ تعریضات قرآنی کی تفسیر کے لیے بقدر ضرورت کلام کریں گے کیوں کہ جتنا زیادہ بولیں گے، خطا کا اتنا ہی زیادہ احتمال ہوگا؛ نیز فقہ کا قاعدہ شیخ زرقاء نے ذکر کیا ہے کہ ”الضروری يتقدر بقدر الضرورة“۔

تفسیر القرآن بالقرآن:

قرآن کریم میں کبھی ایک قصہ، ایک جگہ اجمالی ذکر کرتے ہیں اور وہی قصہ دوسری جگہ تفصیلی ذکر کرتے ہیں، تو یہ اصول جاننا چاہیے کہ یہ تفصیلی قصہ پہلے ہی اجمالی قصے کی قرآنی تفسیر ہوگی، جیسے آدم علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ: ۳۰ میں کہا۔ کہ ”میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ دوسری جگہ سورہ بقرہ ہی میں ۳۳/نمبر کی آیت میں فرماتے ہیں: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمان و زمین کے تمام غیب جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو سب کو جانتا ہوں“۔ اسی طرح سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ کا قصہ اجمالاً ہے اور سورہ آل عمران میں تفصیلاً۔

(۱) ”جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ (ص ۲۳) اس کی تفسیر حدیث میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام سے انشاء اللہ کہنا چھوٹ گیا تھا تو اللہ نے آزمایا یہ تفسیر حدیث کی ہے اور صحیح ہے اس کو چھوڑ کر اسرائیلیات کی طرف جانا جائز نہیں ہے جیسا کہ بعض تفسیروں میں صخر شیطان کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ

اسرائیلیات سے ہے۔

شرح غریب القرآن میں سلف کا اختلاف اور مفسر کی ذمہ داری:

غریب القرآن کی شرح کے لیے لغات، سیاق و سباق اور مناسبت الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے الفاظ کی مناسبت مختلف لوگوں کے نزدیک مختلف ہو سکتی ہے اور الفاظ کے معانی بھی مختلف ہوتے ہیں تو کون سا معنی مراد ہو اس کے فہم کی ضرورت ہوتی ہے، اسی بنیاد پر صحابہ و تابعین کے اقوال شرح غریب میں مختلف ہوئے یہاں مفسر کے لیے ۲ اصول ہیں: (۱) عرب کے استعمالات پر نظر۔ (۲) سیاق و سباق آیت کی صحیح فہم۔ پہلے اصول سے ایک معنی قوی اور رائج ہوگا اور دوسرے اصول سے آثار و احادیث کی تلاش کے بعد ایک معنی کی صحیح فہم حاصل ہوگی۔

نسخ کے متعلق ایک اہم بات:

نسخ و منسوخ کی بحث میں یہ بات ملحوظ رہے کہ آیات کی تاریخ معلوم ہوتا کہ تقدیم و تاخیر سے نسخ متعین ہو سکے، یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مفسرین سلف صالحین کے اجماع اور جمہور علماء کے اتفاق کو نسخ کی علامت مانتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے معنی بیان کرنے میں جمہور فقہاء کا جس پر اتفاق اجماع ہو وہاں کوئی حدیث ہوگی جس کی بنیاد پر آیت سے نکلنے والا معنی، اجماع کے برعکس ہے اس لیے اجماعی معنی لیں گے، اس کے برعکس کو ترک کر دیں گے۔

دوسری فصل:

استنباط احکام فن توجیہ اور فن اعتبار کے بیان میں

مناہج تفسیر کی ایک بحث ”استنباط احکام“ ہے، یہ میدان بہت وسیع ہے، آیات کے مفاہیم اشارے اور تقاضے جاننے کے لیے عقل سلیم کے ضرورت ہے، پھر عقلیں بھی مختلف ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے استنباط احکام کی حجۃ اللہ البالغہ میں دس اقسام بیان کی ہیں اور تمام احکام کے استخراج کا انہیں محور بنایا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۳۰۳۔

فن توجیہ:

فنون تفسیر اور مناہج تفسیر میں ایک ”فن توجیہ“ ہے، اس کی بہت شاخیں ہیں شرح معنی کتاب کی شرح میں، اس فن کو خوب استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی ذہانت اور ذکاوت کے درجات معلوم ہوتے ہیں۔ صحابہ کے زمانے میں فن توجیہ اگرچہ واضح شکل میں نہ تھا، لیکن صحابہؓ نے آیات کی تفہیم میں اس فن کو خوب استعمال کیا۔
اصطلاحی تعریف: کسی کتاب کی مشکل عبارت پر شارح رک کر مشکل عبارت کو حل کر دے تو اصطلاح میں اس کو توجیہ کہتے ہیں۔

توجیہ کے درجات:

چوں کہ مشکل کو حل کرنے والوں کی فہم، کم اور زیادہ، پیدائشی طور پر ہوتی ہے، اس لیے توجیہ کے درجات مختلف اور کثیر ہوں گے۔ ایک عبارت کو ابتدائی طالب علم کچھ سمجھے گا،

اس سے آگے کے درجات کا طالب علم اسی عبارت کو دوسرے انداز سے سمجھ گا، پھر اسی درجے میں مختلف اذہان و عقول کے طلبہ مختلف انداز سے عبارت کو حل کریں گے۔

قابل اعتماد توجیہ:

قرآن کریم میں ۵ اقسام کی آیات ہیں، ہر قسم میں قابل اعتماد توجیہ حسب ذیل ہے:
(۱) آیات الجہل: فرق باطلہ کے مذاہب بیان کیے جائیں اور وجوہ الزام کی وضاحت کی جائے۔

(۲) آیات الاحکام: ان آیات میں قابل اعتماد توجیہ یہ ہے کہ صورت مسئلہ اور فوائد قیود یہ بیان کئے جائیں۔

(۳) آیات اللہ کبر یا لاہ اللہ: اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی منظر کشی اور جزئی مقامات نعمت کو بیان کیا جائے۔

(۴) آیات اللہ کبر یا یام اللہ: ایک قصہ دوسرے قصے پر منحصر ہے، تو اس کو بیان کیا جائے اور قصہ بیان کرنے میں تعریض و اشارے کی وضاحت کی جائے۔

(۵) آیات اللہ کبر یا الموت و ما بعدہ: موت کے امور کا منظر کھینچا جائے اور قبر و حشر کے حالات کو تاکید ایان کیا جائے۔

توجیہ کی اقسام:

توجیہ کی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ۶ اقسام ”الغور الکبیر“ ص ۱۱۴ پر بیان کی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱: عدم مناسبت سے جو چیز فہم سے دور ہو، اس کو قریب کرنا۔

۲: معقول و منقول دو متعارض دلیلوں اور دو تعریضوں کے درمیان تضاد کو دور کرنا۔

- ۳: رد التباس و اشتباہ پیدا کرنے والی چیزوں میں امتیاز پیدا کرنا۔
 ۴: مختلف معنوں میں تطبیق پیدا کرنا۔
 ۵: آیت میں مذکور وعدہ کی سچائی واضح کرنا۔
 ۶: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کا حکم دیا گیا، اس پر آپ کے عمل کرنے کی کیفیت بیان کرنا یہ تمام چیزیں ”توجیہ“ کہلاتی ہیں۔
- شاہ صاحبؒ کا مذہب:

متشابہات کی توجیہ اور صفات باری کی تحقیق میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہتے ہیں کہ اس میں میرا طریقہ یہ ہے کہ میں اس اصول کا پابند ہوں کہ ”اموار المتشابہات علی ظواہرها وترک الخوض فی تاویلها“۔ (الفوز الکبیر، ص ۱۱۳)

مطلب یہ ہے کہ متشابہات کو ان کے ظاہری معنی پر رکھیں اور ان کی توجیہ و تاویل میں زیادہ گہرائی میں نہ جائیں، یہی مسلک امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، عبد اللہ ابن مبارکؒ اور دیگر حنفی مفسرین کا بھی ہے۔ اسی طرح لغات قرآن میں حنفی عرب کے استعمالات لیے جائیں اور صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار پر کلی اعتماد کیا جائے، قرآن کریم میں نحوی بحث کے حوالے سے اصول یہ ہے کہ الاوق بالسیاق والسباق کا قاعدہ مد نظر رہے، یعنی جس نحوی امام کا مسلک قرآن کریم کے سیاق و سباق کے زیادہ موافق ہو اس کو ترجیح دی جائے، صرف امام سیبویہؒ کی طرف میلان نہ ہو، نہ ہی صرف امام فراءؒ (۱) کی طرف۔

(۱) امام فراء کا نام ہے یحییٰ بن زیاد، کنیت ابو زکریا، کوفہ کے باشندے، وفات ۲۰۷ھ

حضرت عثمان غنیؓ کا قول:

قرآن کریم کی نحوی بحث کے تعلق سے حضرت عثمان غنیؓ نے **وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ** والی آیت میں **وَالْمُقِيمِينَ** کے بارے میں فرمایا ہے جو تمام مرفوع اسماء کے درمیان میں حالتِ نصی میں آ رہا ہے کہ ”**سَتَقِيْمُهَا الْعَرَبُ بِاَلِسِيْنَتِهَا**“ عرب اس کو اپنی زبان سے درست کر لیں گے۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن میں نحوی قاعدے کے خلاف کوئی چیز ہے تو اس کو عرب کے محاورات و استعمالات پر محمول کریں گے۔ اور عرب کے محاورات و استعمالات کبھی کبھی خلافِ قاعدہ ہوتے تھے، اور وہ اس لیے کہ جانتے ہوئے بھی عرب کی زبانوں پر گفتگو میں حالتِ رفعی کی جگہ حالتِ نصی نکل جاتی ہے، مذکر کے جگہ مؤنث ادا ہو جاتی، واحد کی جگہ ثنیہ زبان پر آ جاتی، جسے وہ لوگ احساس کے وقت صحیح کر لیتے، انہیں محاورات کے مطابق قرآن کی یہ آیت بھی اتری جو درحقیقت حالتِ رفعی میں ہے، حضرت عثمان غنیؓ کے قول کا یہی مطلب ہے۔

فن اعتبار:

اس کی لغوی تعریف یہ ہے کہ ایک شئی سے دوسری شئی کی طرف ذہن منتقل ہو۔ اور اصطلاح میں فن اعتبار اس کو کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے سننے کے وقت سنا لک کے قلب میں کچھ چیزیں پیدا ہوں اور یہ چیزیں اس کے دل میں نظمِ قرآنی اور اس کی موجودہ حالت کے درمیان پیدا ہو، تو اسی پیدا ہونے والی اشیا کو اعتبارات و اشارات کہتے ہیں۔

مثال: کوئی آدمی لیلیٰ مجنون کا قصہ سنے، یہ سن کر اس کو اپنی معشوقہ یاد آ جائے اور وہ اپنی معشوقہ کی یادوں میں کھو جائے، تو یہی یادوں میں کھو جانا ”اعتبار“ کہلاتا ہے۔

فائدہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”فن اعتبار“ کو معتبر مانا ہے، اسی لیے علمائے امت اس سنت و مسلک پر چلے ہیں۔ چنانچہ سورہ لیل کی آیات **فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ** سے تقدیر کے مسئلے میں دلیل دی ہے، حالاں کہ اس آیت کا مدلول و منطوق یہ ہے کہ جو ان اعمال صالحہ پر عمل کرے گا، ہم اسے جنت و نعمت دیں گے اور جو ان اعمال کے خلاف کرے گا اسے دوزخ میں ڈالیں گے۔ اب غور کریں تو اس بات کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

لیکن ”فن اعتبار“ کی مدد سے اس کا تعلق تقدیر سے ہے اور وہ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ایک خاص حالت کے لیے پیدا کیا ہے، اور وہ حالت اس پر اللہ تعالیٰ جاری کرتے ہیں، بندے کو اس کا پتہ چلے یا نہ چلے۔ اس طرح اس آیت کا ربط فن اعتبار کی مدد سے تقدیر سے ہو گیا۔

تیسری فصل:

غرائب القرآن کے بیان میں

غرائب القرآن سے مراد یہاں قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جن کو حدیث شریف میں مزید اہتمام شان اور فضیلت و اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ”علم اللہ کیر بآلاء اللہ“ کو ”فن“ سے تعبیر کیا ہے۔ فن تذکیر بآلاء اللہ سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن وہ آیات کہلاتی ہیں جو حق تعالیٰ کی عظیم صفات کو جامع ہوں۔ مثلاً: آیت الکرسی، سورۃ اخلاص، سورۃ حشر کی آخری آیات اور سورۃ مؤمن کی ابتدائی آیات۔

(۲) فن تذکیر بایام اللہ سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن ان آیات کو کہا جاتا ہے جن میں کوئی انوکھا قصہ، کوئی معلومات افزا واقعہ، یا کوئی عظیم الفائدہ کہانی مذکور ہو، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری خواہش تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعات میں سے کچھ اور باتیں ہمیں بتلاتے۔ (۱)

(۳) فن تذکیر بالموت و ما بعدہ سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن ان آیات کو کہا

(۱) ”وَدِدْنَا اَنْ مَّرَسَى كَانَ صَبْرًا حَتَّى يَقْعُرَ اِلَهُ عَلَيْنَا مِنْ خَيْرِهِمَا“ (صحیح بخاری: ص/ ۶۸۷ کتاب التفسیر)

جاتا ہے، جو قیامت کے احوال و کوائف کو جامع ہوں۔ اسی لیے حدیث شریف (۱) میں آیا ہے کہ: جس کو خوش کرے یہ بات کہ قیامت کو کھلی آنکھوں دیکھے، تو اسے پڑھنا چاہیے ”إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ“ ”إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ، إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ“۔

(۴) فن احکام سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن ان آیات کو کہا جاتا ہے جو حدود و قصاص اور خاص حالات کی تعیین و تحدید کے بیان پر مشتمل ہوں۔ مثلاً: حد زنا میں سو کوڑے، تین حیض یا تین طہر مدت حیض، یا میراث میں ورثہ کے حصے، نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث سدس وغیرہ۔

(۵) فن جدل سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن ان آیتوں کو کہا جاتا ہے جن میں فریق مخالف کا جواب ایسے اچھوتے انداز میں دیا جاتا ہے جس سے فریق مخالف کا شبہ بالکل ختم ہو جائے، یا کفار و مشرکین، منافقین، یہود و نصاریٰ چاروں فریق کی حالت کسی واضح مثال سے سمجھائی جاتی ہے، یا بت پرستی کی قباحت بیان کی جاتی ہے، یا خالق و مخلوق، مالک و مملوک وغیرہ کے مراتب کو انوکھی مثالوں سے سمجھایا جاتا ہے۔

(۶) مذکورہ بالا پانچ اقسام ہی میں غرائب القرآن کا انحصار نہیں ہے، بل کہ غرائب القرآن کی آیات کبھی بلاغیت قرآن کی شکل میں ہوتی ہیں، کبھی اسلوب آیات نرالا ہوتا ہے، مثلاً: سورہ رحمن: اسی لیے حدیث میں اس کو ”عروس القرآن“ کہا گیا ہے۔

قرآن کا ظاہر و باطن:

نام طبرائی نے کبیر میں اور امام بغویؒ نے شرح السنہ میں ایک حدیث نقل کی ہے

(۱) ”من سرہ ان ينظر الى يوم القيامة كانه رأى عين فليقرأ“ ”إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ“، ”وَ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ“، ”وَ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ“۔ (سنن الترمذی: ۲/۱۶۸)

”ہر آیت کا ایک ظاہر ہوتا ہے، ایک باطن، اور ہر حرف کے لیے ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مُطَّلَع ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں جاننا چاہیے کہ علوم خمسہ سے متعلق تمام آیات کا ظاہر، مدلول کلام اور منطوق کلام ہے، اور علوم خمسہ میں سے ہر ایک سے متعلق آیات کا باطن الگ الگ ہے۔

چنانچہ ”تذکیر بآلاء اللہ“ والی آیات کا باطن یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں بندہ غور کرے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کا مراقبہ رکھے۔

”تذکیر بایام اللہ“ والی آیات کا باطن یہ ہے کہ قرآنی قصوں سے ثواب و عذاب اور مدح و ذم کی وجہ تلاش کر کے اس سے نصیحت پکڑے۔

”تذکیر بالموت و ما بعدہ“ والی آیات کا باطن یہ ہے کہ موت، قبر، جنت و دوزخ، میزانِ عمل اور حشر و حساب کے ذکر سے خوف ورجا کی کیفیت پیدا ہو اور ایسی کیفیت کہ ان چیزوں کو گویا اپنی نظروں کے سامنے دیکھتا ہو۔

”احکام“ والی آیات کا باطن یہ ہے کہ احکام خفیہ کا فحویٰ آیت اور ایمائے کلام الہی سے استنباط کرے۔

”فرق باطلہ سے جدل“ والی آیات کا باطن یہ ہے کہ ان فرقوں کے اصل عیوب جانے، اور جو ان عیوب کا شکار ہو، اُن کو بھی انہیں کے ساتھ شامل کرے۔

مُطَّلَع الظاہر کا مطلب یہ ہے کہ علم تفسیر سے متعلق قدیم عرب کی لغات اور آثار و احادیث کا علم رکھے۔

مُطَّلَع الباطن کا مطلب یہ ہے کہ فہم میں استقامت ہو، باطن میں نور ایمانی اور سکینہ قلبی موجزن ہو۔

چوتھی فصل:

بعض علوم وہبی کے بیان میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علم تفسیر میں بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، اس سلسلے میں آپ تفسیری وہبی علوم جانتے تھے، جو نصوص شریعت کے بالکل موافق تھے۔ علوم وہبی کا کچھ حصہ حسب ذیل ہے:

(۱) انبیائے کرام کے قصوں کی تاویل، شاہ ولی اللہ صاحب کا اس موضوع پر ایک رسالہ موجود ہے، جس کا نام ہے ”تاویل الاحادیث“ تاویل سے مراد یہ ہے کہ ہر واقعہ ہونے والے قصے کا ایک مبداء ہے رسول اور اس کی قوم کی استعداد سے، جو اللہ کی اس تدبیر کے موافق ہے جس کا اللہ نے اس وقت میں ارادہ فرمایا، گویا کہ اللہ نے اپنے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، ارشاد ہے: ”وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْآخَاذِیْثِ“۔

(۲) علوم خمسہ کی توضیح و اصلاح، جو کہ قرآن کریم کا منطوق ہے، اس کی تفصیل آچکی ہے۔ (۳) علوم وہبی میں سے تیسری چیز قرآن کا فارسی ترجمہ ہے، جو کلمات کی مقدار، تخصیص و تقیم وغیرہ میں عربی نص کے قریب قریب ہے، اس ترجمے کا نام ہے ”فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن“ شاہ صاحب کہتے کہ بعض مقامات پر مذکورہ شرط کو میں نے اس لیے ملحوظ نہیں رکھا کہ قاری بلا تفصیل شاید نہ سمجھے۔

(۴) علوم وہبیہ میں سے خواص قرآن کا علم ہے، حنفیہ میں کی ایک جماعت نے اس موضوع پر کلام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خواص قرآن سے متعلق منقول علوم سے آگے ایک

باب مجھ پر وا کیا کھولتا اور تمام اسمائے حسنیٰ، آیات عظمیٰ اور ادعیہ ماثورہ کو یکبارگی میری گود میں رکھ کر یہ ارشاد فرمایا ”هَذَا عَطَاؤُنَا لِلْإِسْتِغْمَالِ“ لیکن ہر آیت، ہر اسم مبارک، اور ہر دعا چند شرائط کے ساتھ ہے جس کا کوئی متعین قاعدہ نہیں ہے، اس کا قاعدہ بس عالم غیب کا انتظار ہے، جیسا کہ حالت استخارہ میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دیکھے کہ عالم غیب سے کس آیت یا کس نام کا اشارہ ملتا ہے، تو اسی آیت یا نام کو اسی طریقے پر پڑھے جو اہل فن کے نزدیک مقرر ہیں۔ (الفوز الکبیر: ص ۱۲۰)

الفوز الکبیر کی تمام اسحاق کو اس رسالے میں اختصار کے ساتھ سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے، پانچواں باب غرائب القرآن کا داخل درس نہیں ہے، ایک فصل میں اس کا قدرے ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ اس رسالے کو قبول فرمائے۔ آمین!

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ أَوَّلًا وَآخِرًا، ظَاهِرًا وَبَاطِنًا

۱۶ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۹ جون ۲۰۱۱ء

اتوار بعد نماز ظہر

۱۰ سال: ۱۰/۱۱ ماہ ۲۷/۱۱

خاتمہ

قدیم مفسرین کا بیان

خاتمہ میں قدیم مفسرین کے کچھ اسمائے گرامی، بعض مفسرین کی قدرے تفصیل اور کچھ تفاسیر قرآن کا ذکر آئے گا، اس میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل: قدیم مفسرین کے اسمائے گرامی کے بیان میں
 دوسری فصل: بعض مفسرین کی قدرے تفصیل
 تیسری فصل: چند تفاسیر قرآن

پہلی فصل:

قدیم مفسرین کے اسمائے گرامی کے بیان میں

- قرونِ اولیٰ کے بعض قدیم مفسرین کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں:
- (۱) رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۲) حضرت علی بن ابی طالبؓ
 (۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۴) حضرت ابی بن کعبؓ
 (۵) حضرت مجاہدؓ (۶) حضرت سعید بن جبیرؓ
 (۷) حضرت عکرمہؓ (۸) حضرت طاووس بن کیسانؓ
 (۹) حضرت عطاء بن ابی رباحؓ
 (۱۰) حضرت سعید بن المسیب بن حزن قرشیؓ

- ” (۱۱) حضرت محمد بن سیرین (۱۲) حضرت زید بن اسلم عمری
 (۱۳) حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحی (۱۴) حضرت عروہ بن زبیر
 ” (۱۵) حضرت حسن بن ابی الحسن یسار بصری (۱۶) حضرت قتادہ بن عامر
 (۱۷) حضرت محمد بن کعب بن سلیم بن اسد القرظی
 (۱۸) حضرت اسود بن یزید بن قیس النخعی
 ” (۱۹) حضرت علقمہ بن عبد اللہ النخعی
 (۲۰) حضرت مرثدہ بن شراحیل الہمدانی الکوفی
 (۲۱) حضرت نافع بن ہرمر
 (۲۲) حضرت عامر بن شراحیل الشعمی الحمیری
 (۲۳) حضرت عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ مکی
 (۲۴) حضرت عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج القرشی المکی
 (۲۵) حضرت ابو القاسم الضحاک بن الموہب الہمدانی
 (۲۶) اسماعیل بن عبد الرحمن السدی الکوفی (سدی کبیر)
 (۲۷) محمد بن مروان السدی (سدی صغیر)
 (۲۸) حضرت مقاتل بن سلیمان
 (۲۹) حضرت ربیع بن انس البکری النخعی
 (۳۰) حضرت عطیہ بن سعد جنادہ العوفی
 (۳۱) حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم العدوی الدثلی
 (۳۲) حضرت محمد بن سائب الکفی

دوسری فصل:

بعض مفسرین کی قدرے تفصیل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ:

متعدد روایات میں وارد ہے کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعائی تھی: ”اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّوْحِیْدَ“ ایک مرتبہ یہ دعا دی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِیْهِ وَ اَنْشُرْ مِنْهُ. (الاصابہ: ۲/۳۲۳)

اے اللہ! ان کو برکت دے اور ان کے ذریعہ علم دین کو عام فرما۔

اسی طرح الاقان: ۲/۱۸۷ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”نِعْمَ تَرْجَمَانُ الْقُرْآنِ اَنْتَ“ تم قرآن کے اچھے ترجمان ہو۔

اسی لیے صحابہ کرامؓ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ”ترجمان القرآن“ اور ”الحجر“ کے لقب سے یاد کرتے۔ تفسیر قرآن کے معاملے میں سب سے زیادہ روایات آپؐ ہی سے مروی ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایات میں سب سے قوی وہ روایات ہیں جو ابوصالح عن معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس کے طریق مروی ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایات کے لیے یہ سندیں ضعیف ہیں:

(الف) محمد بن سائب الککبی عن ابی صالح عن ابن عباس۔

(ب) ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس۔

(ج) عطیہ العوفی عن ابن عباس۔

(د) مقاتل بن سلیمان عن ابن عباس۔

”تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس“ کی نسبت آپ کی طرف درست نہیں، اس لیے کہ یہ ”محمد بن مروان السدزی عن محمد بن سائب الکلبی عن ابی صراح عن ابن عباس“ والی سند سے منقول ہے جو محدثین کے نزدیک ”سلسلۃ الکذب“ ہے۔
حضرت علیؑ:

تفسیر میں حضرت علیؑ کا مقام بہت بلند ہے، جس کا اندازہ ابوالطفیل کے اس قول سے ہوتا ہے جو الاقان: ۲/ ۱۸۷ میں ہے۔ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ ”میں نے حضرت علیؑ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپؑ فرما رہے تھے کہ..... مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں سوالات کیا کرو، کیوں کہ خدا کی قسم قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو، میدان میں اتری یا پہاڑ پر۔ اخیر عمر میں آپؑ کوفہ چلے آئے تھے۔ اس لیے بیشتر روایات الہی کوفہ سے مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تفسیری روایات حضرت علیؑ سے بھی زیادہ ہیں، ابن جریر وغیرہ نے آپؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ”وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا نَزَلْتُ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللَّهِ إِلَّا وَأَنَا أَعْلَمُ فِيمَنْ نَزَلَتْ، وَأَيْنُ نَزَلَتْ، وَلَوْ أَعْلَمُ مَكَانَ أَخِي أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ مِنِّي تَنَالُهُ الْمَطَايَا لِأَخِيهِ“۔ (اقان: ۳/ ۱۸۷)

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی جو بھی آیت نازل ہوئی ہے اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی؛ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ معلوم ہو جائے جو کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو، تو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا۔ بشرطے کہ اس کی جگہ تک اونٹنیاں

جاسکتی ہوں۔ حضرت مسروق کا قول ہے کہ صحابہ کے علوم چھ آدمیوں میں جمع تھے۔ حضرت عمرؓ، علیؓ، زید بنت ثابتؓ، ابوذر داءؓ، ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ، پھر ان چھ کے علوم دو حضرات میں منحصر تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

حضرت ابی بن کعبؓ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اَقْرَوْهُمْ اَبِي بَنْ كَعْبٍ“ صحابہ میں سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں؛ آپ قرأت اور تفسیر کے علم میں ماہر تھے، نام المفسرین عبداللہ ابن عباس تفسیر میں آپ کے شاگرد ہیں۔ معمرؓ کہتے ہیں: ”عَامَّةُ عِلْمِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِنْ ثَلَاثَةِ: عُمَرُ وَ عَلِيٌّ وَ اَبِي بَنْ كَعْبٍ؟“ حضرت ابن عباسؓ کے بیشتر علوم علوم تین حضرات سے ماخوذ ہیں۔ عمرؓ، علیؓ و ابی بن کعبؓ۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ ہی کی تفسیر سب سے پہلے کتابی شکل میں آئی۔

حضرت مجاہدؓ:

ابو الحجاج مجاہد بن جبر الحنظلی (ولادت ۲۱ھ اور وفات ۱۰۳ھ) ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ۳۰ مرتبہ قرآن کا دور کیا ہے اور تین مرتبہ مکمل تفسیر پڑھی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰/۲۲)

قائدہ کا قول ہے: ”اَعْلَمُ مَنْ بَقِيَ بِالتَّفْسِيرِ مُجَاهِدٌ“ جتنے لوگ باقی رہ گئے ان میں سب سے زیادہ تفسیر جاننے والے مجاہدؓ ہیں۔ ضعیف کا قول ہے: ”اَعْلَمُهُمْ بِالتَّفْسِيرِ مُجَاهِدٌ“۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۸۶/۱) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ مجاہدؓ خود فرماتے ہیں: ”صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ اُرِيدُ اَنْ اُخْدِمَهُ فَكَانَ هُوَ يَخْدُمُنِي“ میں ابن عمرؓ کی صحبت میں رہا اور میں ان کی خدمت کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ میری

خدمت کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۸۶/۳) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجاہدؓ کی رکاب تھام کر کہا: کاش کہ میرا بیٹا سالم اور غلام نافع حافظہ میں تم جیسے ہو جائیں۔ مجاہدؓ کی وفات ۱۰۳ھ میں سجدہ کی حالت میں ہوئی۔

حضرت سعید بن جبیرؓ:

آپ بڑے مشہور تابعی ہیں، وقت کے بڑے ماہر مفسر اور عالم تھے۔ حضرت قتادہؓ نے کہا ہے کہ تابعین میں چار سب سے بڑے عالم تھے۔ عطاءؓ، سعید بن جبیرؓ، عکرمہؓ اور حسن بصریؓ، آپ کے استاذوں میں ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عبد اللہ بن مغفلؓ اور ابو مسعود البدویؓ ہیں، بڑے عابد و زاہد اور شب زندہ دار تھے۔ راتوں کو رونے میں بیٹائی کھوگئی۔ ۹۴ھ میں حجاج بن یوسف نے شہید کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر حجاج ہی کو موت دے دی اور کسی کو نہ قتل کرا سکا۔ عبد الملک بن مروان کے حکم سے آپؓ نے ایک تفسیر لکھی تھی۔

حضرت عکرمہؓ:

ابن عباس کے غلام تھے۔ بربری تھے۔ حمین بن ابی الحر الحنملی نے ہدیہ دیا تھا۔ ابن عباسؓ نے خوب محنت سے تعلیم دی۔ عکرمہ کے استاذ حضرت علیؓ اور حسن بن علیؓ بھی ہیں۔ ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، عقبہ بن عامرؓ، جابرؓ اور معاویہؓ بھی استاذ ہیں۔ عکرمہؓ خود کہتے ہیں کہ میں نے چالیس سال طلب علم میں صرف کئے ہیں۔ امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ: ہمارے زمانے میں کتاب اللہ کا کوئی عالم عکرمہؓ سے بڑا باقی نہیں رہا۔ (مفتاح السعاده: ۱/۴۱۰)

الہدایہ والنہایہ: ۹/۲۴۵ میں ہے کہ جب عکرمہؓ کا انتقال ہوا تو اسی دن ایک بڑے شاعر گنیمت کا بھی انتقال ہوا تو لوگوں کی زبانوں پر یہ جملہ تھا: مات افقہ الناس و اشعر الناس۔ آج سب سے بڑے فقیہ کا بھی انتقال ہو گیا اور سب سے بڑے شاعر کا بھی۔

حضرت طاؤسؓ:

ابو عبد الرحمن طاؤس بن کیسان الحمیری الحمینی الخدیی، آپؓ کے تفسیر وغیرہ کے علوم کے استاذ حضرت ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، زید بن ارقمؓ وغیرہ متحد صحابہؓ ہیں، عبادت و راحہ میں بہت حشور تھے۔ چالیس حج کئے، زہریؒ کا قول ہے اگر تم طاؤس کو دیکھو تو کہو گے وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ علامہ نوویؒ کا قول ہے کہ آپؓ کی جلالتِ قدر و فور علم صلاح و تقویٰ اور قوتِ حافظہ پر علماء کا اتفاق ہے۔ سن ۱۰۵ھ میں منیٰ یا مزدلفہ میں انتقال ہوا۔

حضرت سعید بن المسیبؓ:

حضرت سعید بن المسیب بن حزن القرشی، آپ ابو ہریرہؓ کے داماد تھے، اسی لیے ابو ہریرہؓ کی بہت سی روایات آپ سے مروی ہیں، چالیس سال تک تمام نمازوں کی اذان مسجد میں رہ کر سنی، مسلسل روزے دار ہوتے چالیس حج کئے، آپؓ کی پیدائش حضرت عمرؓ کی خلافت کے تیسرے سال ہوئی اور وفات ۹۱ھ میں ۹۱ھ سے لے کر ۱۰۵ھ تک مختلف اقوال ہیں، تیل وغیرہ کی تجارت پر گزراوقات تھی، کسی رئیس کا انعام قبول نہیں کرتے، ہمیشہ ثقہ راویوں سے نقل کرتے، حنفیہ کے نزدیک ان کی مر اسیل علی الاطلاق قابل قبول ہیں، لیکن امام شافعی جو مر اسیل کو حجت نہیں مانتے، وہ فرماتے ہیں کہ اس سال ابن المسیب عندنا حسن، ابن المسیب کی مر اسیل ہمارے نزدیک حسن ہیں۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ:

آپ مدینہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ زبیر بن عوام کے فرزند ہیں اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے۔ حضرت عائشہؓ کی روایات میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔ آپؓ کے علم و فضل پر اجماع ہیں، ہشام بن عروہؓ کہتے ہیں کہ والد صاحب ہمیشہ روزہ رکھتے، روزہ ہی کی حالت میں ۹۴ھ میں وفات ہوئی، ابن شوزبؓ کہتے ہیں کہ عروہؓ روزانہ چوتھائی قرآن پڑھتے۔

حضرت حسن بصریؓ:

آپؓ کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال پہلے ہوئی، بہت سے صحابہ سے علم حاصل کیا، پورا نام ابوسعید الحسن بن ابی الحسن یسار البصری ہے۔ زید بن ثابت یا جمیل بن قطبہ کے آزاد کردہ غلام تھے، آپؓ کی والدہ کا نام خیرہ تھا، وہ ام المومنین ام سلمہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں، آپؓ نے ام سلمہؓ کا دودھ بھی پیا ہے، بہت بہادر تھے، مجاہد تھے، جنگوں میں بھی شریک ہوئے، معاویہ کے زمانے میں گورنر خراسان ربیع بن زیاد کے کاتب رہے، ۱۱۰ھ میں وفات ہوئی، ابن المدینیؒ اور ابو زرہ رازیؒ چند کو چھوڑ کر آپؓ کی تمام مراسیل کو صحیح مانتے ہیں۔

حضرت قتادہؓ:

آپؓ پیدائشی نابینا تھے، حافظہ بہت قوی تھا، خود کہتے ہیں کہ میں نے کسی محدث سے دوبارہ حدیث سنانے کی درخواست کبھی نہیں کی۔ پورا نام ابوالخطاب قتادہ ابن و عامر اسدوی البصری ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ ”قتادہ تفسیر کے زیادہ بڑے عالم ہیں“ خود

فرماتے ہیں کہ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی نہ کوئی روایت میں نے ضرور سن رکھی ہے۔ بعض مرتبہ تدلیس بھی کرتے۔ ۱۱۸ھ میں طاعون میں ”واسط“ مقام پر انتقال کیا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ:

آپ کے والد کا نام سیرین تھا اور والدہ کا نام صفیہ؛ صفیہ ابو بکر صدیقؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں اور سیرین حضرت انسؓ کے آزاد کردہ غلام، سیرین کی اولاد میں چھ لوگ مشہور ہوئے؛ وہ محمد، سعید، انس، یحییٰ، حفصہ، کریمہ، ہیں، سبھی حدیث کے ثقہ راوی ہیں، محمد بن سیرین حد درجہ متقی تھے۔ ہشام بن حسانؒ کہتے ہیں کہ دن میں ہم محمد بن سیرین کے ہنسنے کی آوازیں سنتے (کہ شگفتہ مزاج تھے) اور رات میں ان کے رونے کی آواز۔ کسی وجہ سے حاکم وقت نے گرفتار کر دیا تھا، اسی گرفتاری کے دوران ان کے والد کے آقا مشہور صحابی حضرت انسؓ کا انتقال ہوا، آپؓ نے وصیت کی تھی کہ محمد بن سیرین مجھے غسل دیں گے۔ لوگ قید میں ان کے پاس آئے، غسل دینے کے لیے کہا تو جواب دیا کہ میں قید ہوں، لیکن جس کی وجہ سے قید میں تھے جب اس نے نکلنے کی اجازت دی تو باہر آئے اور انسؓ کو غسل دیا۔ آپ تفسیر، حدیث اور فقہ کے متفقہ امام ہیں، تابعی ہیں، انسؓ ابو ہریرہؓ، عمران بن حصینؓ، عبداللہ بن عمرؓ زید بن ثابتؓ آپ کے اساتذہ ہیں، ان سب سے سماع ثابت ہے۔ ابن تیمیہ کا قول ہے: ”محمد بن سیرین من اروع الناس فی منطقہ، مراسیلہ من اصبح المراسیل“۔ (بنار النہ: ۸۶/۳)

محمد بن سیرین اپنی بات میں سب سے زیادہ محتاط ہیں، آپ کی مراسیل صحیح ترین مراسیل میں سے ہیں۔ ۹/ شوال ۱۱۰ھ میں بصرہ میں وفات ہوئی۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ

ضحاک بن مزاحم ہلالی خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نام ہے صحابہ کے دور میں پیدا ہو چکے تھے، لیکن صحابہ سے روایت مشکوک ہے، اکثر علماء نے ثقہ قرار دیا ہے، سعید بن جبیر تابعی آپ کے استاذ تفسیر ہیں، ۱۰۲ھ سے ۱۰۶ھ کے درمیان وفات ہوئی۔

آپ ماں کے پیٹ میں دو سال تک رہے، اور ہوئے تو ہنستے ہوئے پیدا ہوئے، اسی لئے آپ کا نام ضحاک رکھا گیا یعنی ہنسنے والے، ماں کے پیٹ ہی میں دانت نکل آئے تھے۔ آپ کی ملاقات حضرت ابن عباس سے نہیں ہوئی، عبد الملک بن میسرہ ہی کہتے ہیں، احمد، ابن معین اور ابو زرعد نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

تیسری فصل:

چند تفاسیر قرآن

متاخرین مفسرین کی کچھ تفسیروں کے نام یہ ہیں:

- (۱) تفسیر ابن کثیر (۲) تفسیر ابی السعود (۳) تفسیر کبیر (۴) تفسیر قرطبی
(۵) روح المعانی (۶) اشرف التفاسیر (۷) بیان القرآن (۸) معارف القرآن
تفسیر ابن کثیر:

یہ تفسیر ایک شافعی عالم حافظ عماد الدین ابوالفدا اواسماعیل بن الخطیب ابو حفص عمر بن کثیر کی تصنیف ہے، اس کی چار جلدیں ہیں، عربی میں ہے۔ یہ تفسیر ابن جریر کا خلاصہ ہے؛ اس میں تفسیر بالروایۃ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اور جمع روایات کے ساتھ روایات پر جرح بھی کی ہے، کمزور روایات کی علل اسناد بتلا دی ہیں، اسرائیلی روایات بہت کم نقل ہیں اور بتلا کر نقل کی ہے۔ یہ محتاط اور مستند تفسیر ہے، کہیں کہیں ضعیف روایات پر سکوت کیا ہے، ضعیف مفسرین مثلاً کلبی، مقابل، عطیہ العونی کے اقوال بھی بکثرت آگئے ہیں۔

تفسیر ابی السعود:

قاضی ابوالسعود محمد بن محمد الحمادی الحنفیؒ (متوفی ۹۵۱ھ) کی یہ تصنیف ہے، اس کا نام ”ارشاد العقول السليم الى مزاي القرآن الكريم“ ہے، اس میں علمی گہرائی ہے، عربی زبان میں پانچ جلدوں میں ہے، اس میں اختصار، نظم قرآن، تناسب آیات اور بلاغت پر عمدہ کلام ہے۔

تفسیر کبیر:

اس تفسیر کا نام ”مفتاح الغیب“ ہے، تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے، مصنف امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر الرازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) ہیں، درایت میں بہت عمدہ تفسیر ہے، ”فی کل شیء الا التفسیر“ (اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے)، اسی تفسیر کے بارے میں کہا گیا ہے، لیکن یہ بڑی زیادتی ہے، کیوں کہ اس میں یہ خصوصیات ہیں کہ: (۱) تفسیر آیت، نحوی ترکیب، شان نزول، سلف کے تمام اقوال اس تفسیر میں منضبط مل جاتے ہیں۔ (۲) عظمت قرآنی اور شوکت آیات کی وضاحت ہے۔ (۳) آیت سے فقہی احکام مستنبط کرتے ہیں اور تفصیلی دلائل دیتے ہیں۔ (۴) علم کلام سے باطل فرقوں کی تحریف واضح کرتے ہیں، جن سے مدلل و مفصل طور پر حمیہ، معتزلہ، مجسمہ اور ابا حنیہ وغیرہ کی تردید ہوتی ہے۔ (۵) ربط آیات بہت اچھا بیان کرتے ہیں۔ (۶) آیات و احکام کے اسرار و حکم بھی لکھتے ہیں۔ امام رازیؒ نے سورہ فتح تک یہ تفسیر لکھی تھی کہ وفات ہو گئی، پھر قاضی شہاب الدین بن خلیل خولی (متوفی: ۶۳۹) نے یا احمد بن محمد القمولی (متوفی: ۷۷۷ھ) نے مکمل فرمایا۔ (کشف الظنون: ۴۷۷/۲) اور طبریز رازیؒ میں ذرا فرق نہیں۔ ہاں اس تفسیر کی روایات رطب و یابس ہیں، اور متعدد مقامات پر جمہور کی راہ سے انحراف بھی ہے، مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے ثلاث کذبات والی صحیح حدیث کو انہوں نے رد کر دیا ہے۔

تفسیر قرطبی:

محقق عالم دین، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر بن فرح القرطبی الاندلسی المالکیؒ (متوفی: ۶۷۱ھ) کی یہ تفسیر ہے، اس کا نام ”الجامع لأحكام القرآن“ ہے، اس کتاب کا اصل موضوع فقہی مسائل و احکام کا استنباط ہے، جن میں مصنف علام نے تشریح

آیات، تحقیق نظم قرآنی، بلاغت و اعراب اور روایات کو اچھی طرح ذکر کیا ہے، بارہ جلدوں میں عربی میں، علوم قرآنی کی اصطلاحات پر مشتمل مقدمے کے ساتھ اور روزمرہ قرآنی ہدایات کی تشریح کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

روح المعانی:

علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی الہمدادی الحنفیؒ (متوفی: ۱۲۷۰ھ) کی یہ تفسیر ہے۔ اس کا پورا نام ”روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم واسبع المثانی“ ہے۔ عربی زبان میں ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہے، جسے محمد علی بیضوی نے ”دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان“ سے ”علی عبدالباری عطیہ“ کے ضبط و تصحیح کے ساتھ ۱۶ جلدوں میں چھاپ کر عام کر دیا ہے، سولہویں جلد مکمل فہرست ہے، جس میں تفسیری آیات، آیات شواہد، قولی و فعلی احادیث و آثار، اعلام، اماکن، قبائل، ایام و حوادث، قوانی ارجاز اور انصاف الابیات سب ہیں، ابراہیم شمس الدین اور سناء بزرگ شمس الدین نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اس تفسیر میں فقہ، نحو، ادب، بلاغت، لغت، ہیئت، تصوف، عقائد، کلام، فلسفہ اور متعلقہ روایات پر تفصیلی بحثیں کی ہیں، روایات حدیث میں علامہ آلوسی حنفیؒ نسبتاً زیادہ محتاط ہیں، آیت سے متعلق تمام علمی گوشوں پر کلام کیا ہے، اس لیے روح المعانی کو سابقہ تمام تفاسیر کا خلاصہ کہنا چاہئے، علامہ یوسف بنوریؒ ”تیسرے البیان“ میں لکھتے ہیں کہ چار تفسیریں ایسی ہیں کہ ان پر قناعت کرنا انشاء اللہ کافی ہوگا: ایک تفسیر ابن کثیر (جو تفسیر ابن جریر سے بے نیاز کر دیتی ہے) دوسرے تفسیر کبیر، تیسرے روح المعانی اور چوتھے تفسیر ابی السعود۔

بیان القرآن:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۲۸۰ھ وفات: ۱۳۶۲ھ) کی یہ تفسیر اردو زبان میں ہے جس کا نام ”مکمل بیان القرآن“ ہے، ۱۳۲۶ھ میں پہلی بار چھپی، اس تفسیر کی خصوصیات یہ ہیں: (۱) قرآن مجید کا آسان ترجمہ کیا ہے جس میں قابل فہم ہونے کے ساتھ تحت لفظی کی بھی رعایت ہے۔ (۲) ترجمہ میں خالص محاورات استعمال نہیں کیے گئے، اس لیے کہ ہر مقام کے محاورات جدا ہوتے ہیں، اور دوسرے مقام کے لوگوں کو فہم میں دشواری ہوتی ہے۔ (۳) جس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال مفسرین کے تھے، جس کو ترجیح معلوم ہوئی صرف اس کو لیا ہے بقیہ سے تعرض نہیں کیا۔ (۴) اختلافات کی تفسیر میں صرف مذہب حنفی لیا ہے۔ (۵) چوں کہ نفع عوام کے ساتھ افادہ خواہ کا بھی خیال کیا گیا ہے اس لیے ان کے فائدہ کے لیے ایک حاشیہ بڑھایا گیا ہے جس میں ملکیت و مدینت، سور آیات وغیر مشہور لغات و ضروری وجوہ بلاغت، مغلق ترکیب، خفی الاستنباط، قیاسات و کلامیات و سباب نزول و روایات و اختلاف، قرأت مغیرہ ترکیب یا حکم و توجیہ ترجمہ و تفسیر ایجاز کے ساتھ مذکور ہے۔ اس حاشیہ کی زبان عربی ہے تاکہ عوام نہ دیکھیں یہ حاشیہ درس و تدریس کے وقت بہت کام آسکتا ہے۔ اس تفسیر کے لکھتے وقت یہ کتابیں موجود تھیں، بیضاوی، جلالین، تفسیر رحمانی، اتقان، معالم القرآن، روح المعانی، مدارک، خازن، تفسیر فتح المنان، تفسیر ابن کثیر، لباب، درمنثور کشاف، قاموس، بعضے تراجم قرآن۔ (۶) جن روایات پر تفسیر کی بنیاد رکھی گئی ہے اس میں التزام کیا گیا ہے کہ وہ صحیح روایتیں ہوں۔

الحاصل! نحو، صرف، بلاغت، ربط آیات، لقوف و علم کلام وغیرہ بے شمار علوم سے متعلق باتیں، بیان القرآن، میں ملتی ہیں، اور سچ ہے کہ یہ تفسیر و سیوں تفسیر کے مطالعے سے بے نیاز کر دیتی ہے اور تفسیری بے راہ رویوں سے حفاظت کا بہترین راستہ ہے۔ یہ تفسیر مسلک اہل حق کا سچا ترجمان ہے۔

اشرف التفاسیر:

اشرف التفاسیر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مستقل تصنیف نہیں ہے، اس کو حضرت تھانویؒ کے سیکڑوں مواعظ و ملفوظات میں سے منتشر تفسیری نکات کو یکجا کر کے مرتب کر دیا گیا ہے جو نہایت علمی، کارآمد اور تفسیری جواہر پارے پر مشتمل ہے۔ تقریباً ساڑھے تین سو مواعظ سے انتخاب کا یہ عمل وجود میں آیا ہے، کیوں کہ ہوتا یہ ہے کہ کسی وعظ یا کسی مجلس میں کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے قرآن کریم کی کوئی آیت قلب پر وارد ہوتی ہے اور آپ اس کی تفسیر کرتے ہوئے اس سے عجیب و غریب مسائل مستعبط فرماتے ہیں، قرآن کریم کے نظم و اسلوب کی بے مثال توجیہات بیان فرماتے ہیں، فوائد و قیود کی دلنشین تشریح فرماتے ہیں، مختلف آیات قرآنی کے درمیان الفاظ و تعبیر کا جو فرق ہے اس کی حکمتیں ظاہر فرماتے ہیں؛ یہ تمام چیزیں اس تفسیر میں آگئی ہیں۔ اس تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اور مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہ ناظم ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی کوششوں کا دخل ہے۔ انہیں دونوں حضرات نے بڑی عرق ریزی سے تفسیری مواد کو ہزاروں صفحات میں بکھرے ہوئے ملفوظات و خطبات سے جمع کیا ہے، جس علم کلام جدید سے عصر حاضر کے جدید سے جدید ترین شبہات کا جواب دیا جاسکتا ہے، وہ علم کلام جدید جگہ جگہ اس تفسیر کے علمی مباحث میں نمایاں ہے، یہ تفسیر پانچ جلدوں میں ادارہ تالیفات

اشرفیہ ملتان سے اردو زبان میں منظر عام پر آ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس رسالے کو قبول فرمائے۔ آمین!

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا، ظَاهِرًا وَّ بَاطِنًا

معارف القرآن:

مفتی محمد شفیع بن مولانا محمد یسین دیوبندی ثم پاکستانی نے معارف القرآن نام کی ۸ جلدوں میں اردو زبان میں مفصل تفسیر فرمائی ہے، اس تفسیر میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن کی تسہیل و تشریح بھی ہے اور عصر حاضر میں قرآن کی ہدایات کے انطباق کی توضیح بھی اور تہذیب جدید پر قرآنی تبصرہ بھی، اس میں سلف صالحین کے مسلک و شرب کی حفاظت ہے جس میں انفرادی خصوصیات یہ ہیں: (۱) صحابہ تابعین سے منقول اور مستند کتب حدیث و تفسیر میں موجود اصول و تشریحات پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (۲) نظم قرآنی کی ترجمے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے ترجموں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (۳) خاص لغات و مفردات کا حل معتمد علیہ کتب لغت اور تفاسیر سے اخذ کیا گیا ہے۔ (۴) مکمل تفسیر سے پہلے آیتوں کا خلاصہ دیا ہے۔ (۵) آخر میں آیتوں سے متعلق احکام و مسائل دے گئے ہیں جن کا بڑا حصہ تفسیر قرطبی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن ابن عربی، تفسیرات احمدیہ، محیط ابن حبان، روح المعانی، روح البیان اور بیان القرآن حکیم الامت تھانویؒ سے لیا گیا ہے۔

افتخار احمد قاسمی بستوی

۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ - ۴ مئی ۲۰۱۳ء، سنبھڑ، بعد نماز مغرب